ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

4 جمادی الاوّل 1434ھ • اپریل 2013ء

بیاد

بنت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہا

ولادت: ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ / ۲۸ اگست ۱۹۳۲ء بروز اتوار، امرتسر
انتقال: ۲۰ جمادی الاوّل ۱۴۳۳ھ / ۱۳ اپریل ۲۰۱۲ء بروز جمعہ، ملتان

- خاندانِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بنو ہاشم سے رشتہ داریاں
- پانچ سالہ دورِ حکومت، انتخابات اور مستقبل
- شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اور عصرِ حاضر کے چیلنج
- امانتیں اور ذمہ داریاں اہلیت والوں کے سپرد کرو
- ''سیّدی وأبی''.....داستانِ حیاتِ امیرِ شریعتؒ

بیاد شہداءِ تحریک مقدس تحفظِ ختم نبوت 1953

سالانہ تحفظِ ختمِ نبوت کانفرنس

جمعرات 25 اپریل 2013ء بعد نماز عشاء

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

زیرِ صدارت

امیر مجلس احرار اسلام پاکستان

ابن امیر شریعت حضرت پیر جی

سیدِ عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

جس میں جید علماء کرام سیاسی رہنما اور دانش ور خطاب فرمائیں گے

خطبہ جمعہ: قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ 26 اپریل 2013ء ایک بجے مسجد ختم نبوت دارِ بنی ہاشم میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمائیں گے

تحریک تحفظِ ختم نبوت (شعبۂ تبلیغ) مجلسِ احرارِ اسلام ملتان

061 -4511961
0300-6326621
0300-6385277
0301-7181267

بیاد: سید الاحرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

جلد 24 شمارہ 4 جمادی الاول 1434ھ — اپریل 2013ء

Regd.M.NO.32, I.S.S.N.1811-5411

ترتیب

دل کی بات:	پانچ سالہ دورِ حکومت، انتخابات اور مستقبل	مدیر	2
دین و دانش:	حدیث موالاۃ اور امامت سیدنا علی رضی اللہ عنہ	پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی	4
//	خاندانِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بنو ہاشم سے رشتہ داریاں (آخری قسط)	مولانا حکیم محمود احمد ظفر	13
منقبت:	در مدح امیر المومنین سیدنا حسن رضی اللہ عنہ	محمد سلمان قریشی	18
افکار:	شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اور عصر حاضر کے چیلنج	مولانا محمد عیسیٰ منصوری	19
//	امانتیں اور ذمہ داریاں اہلیت والوں کے سپرد کرو	پروفیسر محمد حمزہ نعیم	24
//	شیر دے پتر......!	ابو طلحہ عثمان	26
بیاد بنت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہا	سیدتی و امّی	سیدہ حسن بخاری	27
	میری نانی اماں	بنت سید وقار الحسن	35
	بنو ہاشم کی اکلوتی شہزادی	سیدہ ام حرملہ بتول	39
	بنت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہا...... ایمان افروز یادیں	بنت بستان عائشہ	42
حسنِ انتقاد:	''سیدی و ابی''...... داستانِ حیات امیر شریعتؒ	ڈاکٹر بصیرہ عنبرین	44
آپ بیتی:	ورق ورق زندگی (قسط: ۲۳)	پروفیسر خالد شبیر احمد	48
مطالعۂ قادیانیت:	لاہور میں قادیانیوں کے اشتعال انگیز لٹریچر کی طباعت	سیف اللہ خالد	54
//	بھارتی قادیانیوں اور ہندو انتہا پسندوں میں گٹھ جوڑ	احمد نجیب زادے	56
اخبار الاحرار:	مجلس احرار اسلام پاکستان کی سرگرمیاں	ادارہ	60
ترحیم:	مسافرانِ آخرت	ادارہ	63

فیضانِ نظر: حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ سرپرستی: ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیر مسئول: سید محمد کفیل بخاری

kafeel.bukhari@gmail.com

رفقاء فکر: عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد • مولانا محمد مغیرہ • محمد عمر فاروق • قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس • سید صبیح الحسن ہمدانی

sabeeh.hamdani@gmail.com

سید عطاء المنان بخاری

atabukhari@gmail.com

تزئین: محمد نعمان سنجرانی

nomansanjrani@gmail.com

سرکولیشن منیجر: محمد یوسف شاد 0300-7345095

زرِ تعاون سالانہ

اندرون ملک —— -/200 روپے

بیرون ملک —— -/1500 روپے

فی شمارہ —— -/20 روپے

ترسیل زر بنام ماہنامہ نقیب ختم نبوت

100-5278-1

0278

رابطہ

دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

061-4511961

www.ahrar.org.pk

www.alakhir.com

majlisahrar@hotmail.com

majlisahrar@yahoo.com

تحریک تحفظ ختم نبوت کی ترجمان مجلس احرار اسلام پاکستان

مقام اشاعت: دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: التشکیل نیو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات　　مدیر

پانچ سالہ دورِ حکومت، انتخابات اور مستقبل؟

پیپلز پارٹی اور اس کی شریکِ اقتدار پارٹیوں کی مخلوط حکومت اپنی پانچ سالہ آئینی مدت پوری کر کے رخصت ہو چکی۔ حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف میں عدم اتفاق کے نتیجے میں الیکشن کمیشن کے مقرر کردہ میر ہزار خان کھوسو بطور نگران وزیرِ اعظم حلف اٹھا چکے ہیں۔ چاروں صوبوں میں نگران وزرائے علیٰ مقرر ہو چکے ہیں، انتخابی امیدواروں نے کاغذات نامزدگی جمع کرانے شروع کر دیے ہیں۔

پیپلز پارٹی نے ایک صدر اور دو وزرائے اعظم کے ساتھ پانچ سال حکومت کی۔ سب گھر جا چکے لیکن صدرِ مملکت، جیسے تھے، ویسے ہی ہیں۔ راجہ اور گیلانی دونوں پر ملکی خزانہ لوٹنے کے الزامات ہیں اور مختلف مقدمات عدالت میں زیرِ سماعت ہیں۔ علی موسیٰ گیلانی، مخدوم شہاب اور دیگر کئی قومی خُدّام، وزرائے کرام ایسے ہی مقدمات میں ملوث ہیں اور پھر سے ''قومی خدمت'' کے عزم کے ساتھ آئندہ انتخابات میں امیدوار ہیں۔ جذبۂ حب الوطنی سے سرشار قومی لٹیرے، نادہندگان اور جعلی ڈگریوں والے ملک وقوم کے وسیع تر مفاد میں مختلف پارٹیوں میں آ جا رہے ہیں۔ انہیں اس عمل پر کوئی شرم ساری اور احساسِ ندامت تک نہیں۔ پارٹیاں تبدیل کرنا، وفاداریاں بدلنا اور عہد شکنی کرنا اب قومی سیاسی کلچر بن گیا ہے۔

چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کا کہنا ہے کہ ''الیکشن کمیشن ایک آزاد اور خود مختار ادارہ ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ آئین کی دفعہ 62,63 کے مطابق امیدواروں کی چھان پھٹک کرے''۔ ہمارے خیال میں اگر 62,63 پر صحیح معنوں میں عمل درآمد ہو تو پچھتر فیصد امیدوار نااہل قرار پائیں گے۔ حتیٰ کہ نگران حکمران بھی فارغ ہو جائیں گے۔ دیکھتے ہیں کہ فخرو بھائی آئین پر عمل درآمد کراتے ہیں یا پھر وہی سابقہ آموختہ دہراتے ہیں۔

مذہبی سیاسی جماعتیں انتخابات میں کیا نتائج حاصل کرتی ہیں۔ موجودہ صورتِ حال میں اس کا اندازہ و تجزیہ مشکل نہیں۔ کوئی مشترکہ انتخابی پلیٹ فارم نہ ہونے کی وجہ سے ہر جماعت ''سیٹ ایڈجسٹمنٹ'' کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ جمعیت علماء اسلام تو مسلم لیگ ن اور پیپلز پارٹی سے سیٹ ایڈجسٹمنٹ کر کے شاید کچھ نتیجہ حاصل کر لے گی مگر جماعتِ اسلامی اور تحریکِ انصاف کا انتخابی معانقہ کہیں ''ہم تو ڈوبے ہیں صنم، تم کو بھی لے ڈوبیں گے'' کا مصداق نہ بن جائے۔ ''متحدہ دینی محاذ'' کی صدائے بازگشت کہاں تک سُنی جائے گی، مذہبی سیاست میں صرف تنزل ہی ایک ایسی چیز ہے جو روز افزوں ہے۔

مذہبی سیاسی جماعتیں اگر کسی ایک انتخابی پلیٹ فارم پر اکٹھی نہیں ہوسکیں تو کم از کم آپس میں ہی سیٹ ایڈجسٹمنٹ کرلیں۔ بُرا ہو اِس جمہوری تماشے کا اور تماشا کرنے والوں کا جن کی صحبتِ بد نے یہ دن دکھلائے۔ بقولِ شورش:

پا لیا اس کا نتیجہ، مل گیا اس کا ثمر
ہم غلط لوگوں سے اکثر دوستی کرتے رہے
کانپ اٹھتا ہوں سیاسی نٹ کھٹوں کو دیکھ کر
کیسے کیسے لوگ اپنی رہبری کرتے رہے
سانحہ کہہ لیجیے لیکن ہمارے رہنما
نام پر جمہوریت کے رہزنی کرتے رہے

نگران حکومت شفاف اور منصفانہ انتخابات منعقد کرانے کا عزم رکھتی ہے۔ بظاہر اس کے امکانات بھی ہیں لیکن انتخابات کے انعقاد کے لیے ڈالروں میں وصول ہونے والی کثیر امریکی امداد کیا رنگ دکھائے گی، کیا گُل کھلائے گی اور کیا نتائج دکھلائے گی، اس حقیقت کا انکار بھی ممکن نہیں۔

کہا تو یہی جارہا ہے کہ انتخابات ہی ملکی مسائل کا حل ہیں، اللہ کرے ایسا ہی ہو لیکن مسائل حل ہوتے نظر نہیں آرہے بلکہ مستقبل میں مزید مشکلات کے امکانات واضح ہورہے ہیں۔

سابقہ حکومت نے قوم کو بددیانتی، لوٹ مار، بدامنی اور قتل وغارت گری کے سوا کچھ نہیں دیا۔ مہنگائی نے غریب آدمی کی کمر توڑ کے رکھ دی اور سرمایہ دار کو مزید لوٹ مار کے وسیع مواقع فراہم کیے۔ بجلی وگیس کی لوڈشیڈنگ نے غریبوں کے گھروں سے روشنی چھینی اور اُن کے چولہے ٹھنڈے کیے۔ لیکن اس کے باوجود یہ دور جمہوری بنیادوں پر ایک مثالی دور تھا۔ جمہوریت کی ترقی ہوئی، اداروں میں استحکام پیدا ہوا، جمہوری کلچر کی افزائش ہوئی، ''برداشت'' اور ''رواداری'' کو فروغ حاصل ہوا۔ جس کے نتیجے میں عوام کا من حیث المجموع اس نظامِ کفر پر اعتماد بڑھا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس کفر سے وابستگی کے جرم میں ہمیں فطرت کی کتنی ہی تعزیریں بھگتنی پڑیں لیکن لیلائے جمہوریت کے مجنونوں کا عشق خام نہیں ہوا۔ دینِ خالص کے احیا کے لیے انقلابی جدوجہد کرنے والے کارکنوں کے لیے اس حد سے گزری ہوئی پستی کے دیکھنے میں بہت کچھ سامانِ عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے اور پاکستان کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

حدیث موالاۃ اور امامت سیدنا علی رضی اللہ عنہ

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

مشہور شیعہ سکالر ڈاکٹر سید محمد تیجانی سماوی لکھتے ہیں کہ:

''من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق معہ حیث دار''

جس کا میں مولا ہوں، اس کے علیؑ بھی مولا ہیں۔ خدایا جو علیؑ کو دوست رکھے، تو بھی اس کو دوست رکھ، اور جو علیؑ سے دشمنی رکھے تو بھی اس کو دشمن رکھ، جو علیؑ کی مدد کرے تو اس کی مدد کر، جو علیؑ کی مدد نہ کرے تو بھی اس کی مدد نہ کر، جدھر علیؑ مڑیں اسی طرف حق کو موڑ دے۔

جن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ابوبکر، عمر، عثمان اس شخص پر فضیلت رکھتے ہیں جس کو رسول خدا نے اپنے بعد مؤمنین کا ولی بنایا ہے۔ ان لوگوں کے خیال باطل کو باطل کرنے کے لئے صرف یہ حدیث اکیلی ہی کافی ہے اور جن لوگوں نے صحابہ کا بھرم رکھنے کے لئے اس حدیث میں لفظ مولیٰ کی تاویل کی ہے کہ اس سے مراد محبّ و ناصر ہے ان کی تاویل بے اعتبار ہے کیونکہ جس اصلی معنی کا رسول ﷺ نے ارادہ کیا تھا اس معنی سے اس کو موڑنا ہے کیونکہ شدید گرمی میں جب رسول خدا نے کھڑے ہو کر فرمایا:

کیا تم لوگ گواہی نہیں دیتے ہو کہ میں مؤمنین کے نفوس پر مؤمنین سے زیادہ اولویت رکھتا ہوں؟ تو سب نے کہا بے شک یا رسول اللہ۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا:

''**من کنت مولاہ**.....'' یہ نص صریح ہے کہ حضور ﷺ حضرت علیؑ کو اپنی امت پر خلیفہ بنا رہے ہیں۔ ہر عقل مند اسی مطلب کو قبول کرے گا اور دور از کار تاویلوں کو ترک کر دے گا۔ رسول ﷺ کا احترام، صحابہ کے احترام سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ صرف یہ بتانے کیلئے کہ علیؑ ناصر ہیں اور محبّ ہیں آنحضرت ﷺ نے چلچلاتی دوپہر میں جس کی گرمی ناقابل برداشت تھی صرف اتنا کہنے کے لئے اکٹھا کیا تھا تو یہ رسول ﷺ کا مذاق اڑانا ہے۔ ان کو (معاذ اللہ) احمق ثابت کرنا ہے۔ اس کے علاوہ جو محفل مبارکباد منعقد کی گئی تھی اس کی کیا تاویل کی جائے گی؟ بھلا اتنی سی بات کیلئے ایسی محفل تبریک کی کیا ضرورت تھی؟ جس میں سب سے پہلے امہات المؤمنین نے مبارک باد پیش کی۔ پھر ابوبکر و عمر آ کر بولے مبارک ہو مبارک ہو ابو طالب کے فرزند تم تمام مؤمنین و مؤمنات کے مولا ہو گئے۔ اگر خلافت و امامت مراد نہ ہوتی تو رسول یہ سب نہ کرتے، نہ محفل سجتی، نہ مبارک باد پیش کی جاتی۔

واقعہ اور تاریخ دونوں تاویل کرنے والوں کو جھٹلاتے ہیں۔ ارشادِ خدا ہے:

وَاِنَّ فَرِیقاً مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُونَ الحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُونَ○　(البقرۃ ۱۴۶)

اوران میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دیدہ ودانستہ حق بات کو چھپاتے ہیں۔

(''ثم اھتدیت'' مؤلفہ ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی مترجمہ حجۃ الاسلام مولانا روشن علی نجفی ''پھر میں ہدایت پا گیا۔ص۲۰۴-۲۰۵)

مشہور شیعہ سکالر سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھتے ہیں کہ:

(غدیر خم کے مقام پر آنحضرت ﷺ نے) تقریر کے بعد حضرت علیؓ بن ابی طالب کے بازو پکڑ کر اٹھایا اور اتنا بلند کیا کہ سفیدی زیر بغل مبارک نمایاں ہوگئی اور پورے مجمع نے حضرت علیؓ کو دیکھا اس کے بعد فرمایا:

ایھا الناس! من اولی الناس بالمؤمنین من انفسھم؟

لوگو! مومنوں کے نفوس سے اولیٰ کون ہے؟ سب نے کہا۔ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا:

ان اللّٰہ مولای و انا مولی المؤمنین و انا اولیٰ بھم من انفسھم فمن کنت مولاہ فعلی مولاہ.

بلاشبہ اللہ میرا مولا ہے اور میں مومنوں کا ان کے نفسوں سے زیادہ مولیٰ ہوں اور جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؓ بھی مولا ہیں۔ یہ جملہ تین مرتبہ اور بروایت امام احمد بن حنبل چار مرتبہ فرمایا:

اس کے بعد فرمایا:

یا اللہ! جو علی سے محبت رکھے تو بھی اسے محبوب رکھ، جو ان سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ، جو علیؓ کا ساتھ نہ دے تو بھی اس کا ساتھ نہ دے۔ حق کو ادھر رکھ جدھر علیؓ ہوں۔ دیکھو حاضر افراد، غیر حاضر لوگوں تک یہ پیغام ضرور پہنچا دیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ جلد۸ص۱۰۰۹)

مشہور شیعہ مصنف آغا محمد سلطان مرزا دہلوی ریٹائرڈ، ڈسٹرکٹ وسیشن جج رقم طراز ہیں کہ:

(حضرت علیؓ کی جانشینی کے) اس اعلان کے لئے موقع، وقت اور مقام کی موزونیت کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ تقریباً تمام عرب میں اسلام پھیل چکا تھا۔ رسول خدا کا اپنے رفیق اعلیٰ سے ملنے کا وقت بھی قریب آ چکا تھا۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری حج کی تیاری شروع کر دی۔ عام منادی کرا دی کہ لوگ حج کے لئے تیار ہو جائیں۔ چنانچہ جوق در جوق لوگ مدینہ میں اکٹھا ہونے لگے۔ آپ نے ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ کو مدینہ سے کوچ فرمایا تو آپ کے ہمراہ کم از کم نوے ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ چالیس ہزار کا مجمع تھا۔ یہ مجمع بڑھتا ہی گیا کیونکہ جو مدینہ میں اکٹھا نہ ہو سکے تھے وہ راستہ میں شامل ہوتے رہے (یہ مجمع کئی گنا ہو گیا).....

پھر جب حج سے فارغ ہو کر مدینہ واپس ہونے لگے تو سارا مجمع اسی طرح آپ کے ساتھ تھا۔ آپ نے خم غدیر پہنچ کر قیام فرمایا جبکہ یہاں کوئی منزل نہ تھی۔ موسم بھی خوش گوار نہ تھا کہ یہ کہا جا سکے کہ منزل کرنے کو دل چاہا۔ چلچلاتی دھوپ تھی، دوپہر کا وقت تھا اور جگہ بھی ناہموار، جا بجا ببول کے کانٹے۔ مگر یہ جگہ اور وقت اس کام کے لئے نہایت موزوں تھے کہ جس کا تاکیدی حکم آ چکا تھا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے کئی راستے مختلف سمتوں کو جاتے تھے لہٰذا یہاں سے سارا مجمع مختلف گروہوں میں بٹ جاتا۔

اب اگر کوئی اہم اعلان ساری امت تک پہنچانا تھا تو اس سے بہتر موقع اور کوئی نہ تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اونٹوں کے کجاووں کو جمع کر کے ایک منبر بنایا۔ جو لوگ پیچھے رہ گئے ان کا انتظار فرمایا۔ جو ذرا آگے بڑھ چکے تھے انہیں واپس بلایا اور جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپ خطبہ دینے کے لئے منبر پر تشریف لے گئے مگر خطبہ دینے سے پہلے حضرت علی کی رسم دستار بندی ادا کی۔ اپنے جانشین حضرت علی بن ابی طالب کے سر پر اپنے دست مبارک سے عمامہ باندھا۔

(بحوالہ سیاستِ راشدہ تلخیص ''البلاغ المبین'' ص ۱۱۰-۱۱۱ مطبوعہ ساجدہ اکیڈمی فیڈرل بی ایریا کراچی)

آغا صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ:

اس کے بعد آپ نے ایک خاص خیمہ نصب کرادیا جس میں حضرت علیؓ نے بیٹھ کر جناب رسول خدا کے حکم سے تمام امت سے بیعت لی اور تمام امت نے آپ کو مبارک باد دی، اس میں مرد و عورت سب شامل تھے.....

(البلاغ المبین حصہ اول (سوم) ص ۵۵۰، ۵۵۱)

حدیث **''من کنت مولاہ فعلی مولاہ''** پر روایتاً و درایتاً بحث آگے آ رہی ہے جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اس سے حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل پر استدلال صحیح ہے یا غلط لیکن بیعت علیؓ سے متعلق اہل تشیع کے بیان کردہ مذکورہ واقعہ کو صحیح تسلیم کرنے سے مزید کئی اشکالات اور پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں:

۱۔ اہل تشیع کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غدیر خم کے مقام پر بیعت علیؓ کی تقریب ۱۸ ذی الحجہ کو منعقد ہوئی اسی لئے وہ اس تاریخ کو ہر سال عید غدیر کے طور پر مناتے ہیں حالانکہ اس تاریخ کو خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ کی شہادت واقع ہوئی تھی تو اشکال یہ ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ نے ۱۸ ذی الحج کو غدیر خم کے مقام پر قیام فرمایا تھا؟

غدیر خم مکہ مکرمہ سے تقریباً دو دن کی مسافت پر واقع ہے آنحضرت ﷺ حج کی ادائیگی کے بعد ۱۴ ذی الحج کو صبح کی نماز کے بعد مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے اس طرح وہ ۱۵ ذی الحج کو غدیر خم کے مقام پر پہنچ گئے تھے۔ ۱۸ تاریخ تک ایک ہی مقام پر قیام ممکن ہی نہیں ہے۔

۲۔ اہل تشیع نے بڑے زور شور سے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرتؐ نے مع رفقاء سخت گرمی اور چلچلاتی دھوپ میں قیام فرمایا تھا۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس وقت گرمیوں کا موسم تھا؟

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ مطابق ۲۲ فروری ۶۳۲ء کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور مارچ کے پہلے ہفتے میں مناسکِ حج ادا فرمائے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ گرمیوں کا موسم نہیں تھا۔ ملاحظہ ہو۔

(حیات النبی ﷺ مؤلفہ میاں محمد سعید صاحب ص ۱۱۲ مطبوعہ فاروقلیط اکادمی کراچی)

۳۔ آغا مرزا محمد سلطان اور ڈاکٹر محمد تیجانی نے یہ لکھا ہے کہ:

مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت شرکاء کی تعداد کم سے کم ۹۰ ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ چالیس ہزار تھی۔

حج کے موقع پر یہ تعداد کئی گنا ہوگئی۔ اگر کم سے کم تعداد بھی لیں تو یہ تین گنا ضرور ہوگی یعنی ۹۰x۳= دولاکھ ستر ہزار جن سے حضرت علیؓ نے خیمہ نشین ہوکر بیعت لی۔ اس عملِ بیعت کے لئے اگر اوسطاً فی کس ایک منٹ بھی شمار کرلیا جائے (جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ وقت لگ سکتا ہے) تو اس عمل پر کل دولاکھ ستر ہزار منٹ صرف ہوئے۔

گویا اس عمل پر گھنٹوں کے حساب سے چار ہزار پانچ سو گھنٹے، دنوں کے حساب سے ۱۸۷ دن اور ۱۲ گھنٹے اور مہینوں کے حساب سے چھ ماہ اور سات گھنٹے صرف ہوئے۔

اگر خیمہ کے ساتھ ہی مسلسل لوگ قطار باندھے کھڑے رہیں تو پھر بھی کم از کم اس عمل پر نصف منٹ صرف ہوگا۔ تو اس طرح تین ماہ سے کم مدت میں یہ بیعت کا عمل مکمل نہیں ہوسکتا۔

پھر یہ کم سے کم مدت بھی تب ہی صحیح ہوسکتی ہے کہ حضرت علیؓ ایک لمحے کا توقف کیئے بغیر بیعت پر بیعت لیتے جائیں لیکن بشری تقاضے (نیند، قضائے حوائج، غسل، وضو، نماز، خورونوش) پورے کرنے کے لئے وقت بھی اس میں شامل کرلیا جائے تو پھر مدت مزید بڑھ سکتی ہے۔

علاوہ ازیں اتنی بڑی تعداد کے کھانے پینے، رہائش، وضو اور نماز کے انتظامات کرنا بھی ایک مستقل مسئلہ ہے۔

مزید برآں نبی اکرم ﷺ کی رحلت مشہور قول کے مطابق بارہ ربیع الاول ۱۱ھ اور تحقیقی قول کے مطابق یکم ربیع الاول ۱۱ھ کو واقع ہوئی۔ جبکہ غدیرخم میں بیعت علیؓ کا عمل باتفاق شیعہ ۱۸ ذی الحج کو عمل میں آیا تھا۔ اگر ذی الحج، محرم اور صفر تینوں مہینوں کو کامل یعنی تیس تیس دن کے تصور کرلیا جائے تو محرم اور صفر کے ۶۰ دن + ذی الحج کے بقیہ ۱۳ دن (بشمول ۱۸ ذی الحج) + ربیع الاول کے ۱۱ دن (مشہور قول کے مطابق) گویا نبی اکرم ﷺ کے وصال تک یہ مدت چوراسی (۸۴) دن ہوئی۔ اس طرح نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بھی غدیرخم میں بیعت کا عمل جاری رہا۔ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی رحلت مدینہ منورہ میں واقع ہوئی اور حضرت علیؓ بقول شیعہ بیعت لینے میں مصروف تھے اور جب وہ بیعت سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ واپس آئے تو حضرت ابوبکر صدیق منصب خلافت پر فائز ہو چکے تھے۔

۴۔ مبایعین تو بیعت کر کے رخصت ہوتے رہے لیکن حضرت علیؓ تین ماہ تک مسلسل ایک ہی جگہ خیمہ نشین ہوکر بیعت کے لئے ۲ لاکھ ستر ہزار مرتبہ اپنا ہاتھ آگے بڑھانے اور پھیلانے کے پابند رہے۔ یہ فعل اگرچہ بطور عادت انسانی طاقت سے ماوراء ہے لیکن شاید مشکل کشاء سے اس کا صدور ممکن ہو۔

۵۔ اس عظیم مجمع میں سے جن لوگوں نے آخری دنوں میں حضرت علیؓ کی بیعت کی ہوگی انہیں تین ماہ سے زائد عرصہ تک ایک ہی جگہ بیٹھ کر انتظار کی اذیت اور دیگر مصائب برداشت کرنا پڑے ہوں گے۔

حضرت علیؓ کی بیعت کو بیعت رضوان اور خلفاء راشدین کی بیعت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حدیبیہ کے مقام پر نبی اکرم ﷺ نے کئی دن تک قیام فرمایا تھا حضرت عثمانؓ کو مکہ مکرمہ میں سفیر بنا کر بھیجا گیا اور مذاکرات بھی جاری رہے۔ تعداد بھی دولاکھ ستر ہزار نہیں صرف چودہ سو کے لگ بھگ تھی۔ جس پر مذکورہ حساب (یعنی تیس سیکنڈ فی کس) کی رو سے

تقریباً بارہ گھنٹے صرف ہو سکتے ہیں اور مختلف نشستوں میں وقفہ وقفہ سے یہ عمل مکمل ہو گیا پھر آنحضرت ﷺ کا ہاتھ مبارک بھی حضرت عمرؓ تھامے رہے۔

جبکہ خلفاء راشدین کی بیعت کسی ویران مقام پر نہیں بلکہ سقیفہ بنی ساعدہ اور مسجد نبوی میں اور مختلف اوقات میں مہاجرین وانصار سے (جن کی تعداد بھی محدود تھی) لی گئی۔

۶۔سخت حیرت ہے کہ تین ماہ سے زائد عرصہ تک غدیر خم کے مقام پر یہ عمل جاری رہا لیکن اس روایت کو تواتر وشہرت تو کیا حاصل ہوتی الٹا اسے غریب منکر اور اخبار احاد وموضوعات میں جگہ مل سکی۔

۷۔مزید حیرت اس بات پر ہے کہ جان نثار صحابہ کرامؓ جنہوں نے تین ماہ تک صعوبتیں جھیل کر حضرت علیؓ کے ہاتھ پر غدیر خم کے مقام پر خلافت کی بیعت کی تھی وہ اس قدر بے وفا اور عہد شکن ثابت ہوئے کہ انہوں نے اس بیعت کو سراسر فراموش کر کے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

۸۔تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے بھی ''مشکل کشا، اسد اللہ الغالب اور الغالب علی کل غالب'' ہوتے ہوئے بھی اس عہد شکنی پر نہ صرف چپ سادھ لی بلکہ الٹا خود بھی ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے ہاتھ پر یکے بعد دیگرے خلافت کی بیعت کر لی۔

۹۔یہی وجہ ہے کہ ملا باقر مجلسی نے اس اعتراض سے بچنے کے لئے غدیر خم کے مقام پر نہ صرف مبایعین کی تعداد کم کر کے ستر ہزار کر دی بلکہ مدتِ بیعت بھی تین دن روایت کر دی۔(ملاحظہ ہو حق الیقین فارسی مطبوعہ ایران ص ۱۰۴۔۱۰۶)

لیکن اس تعداد پر بھی وہی اشکال وارد ہوتا ہے کہ اتنے لوگوں سے بھی بیعت تین دن میں نہیں لی جا سکتی بلکہ اس کے لئے بھی بحساب ۱ منٹ فی کس ۱۱۶۶ گھنٹے یعنی ۴۸ دن درکار ہیں۔جبکہ متأخرین شیعہ آغا محمد سلطان مرزا نیز ڈاکٹر محمد تیجانی وغیرہ نے ملا باقر مجلسی کی منقولہ تعداد سے اتفاق نہیں کیا۔

۱۰۔مذکورہ اشکالات تو بیعت کے سلسلہ میں وارد ہوئے ہیں جبکہ اہل تشیع کا دعویٰ یہ ہے کہ بیعت کی تکمیل کے بعد مبایعین گھروں کو نہیں گئے بلکہ اتنے عرصہ تک وہیں بیٹھے رہے اور اس کے بعد مجلس مبارکباد بھی منعقد ہوئی جس میں تمام مردوں اور عورتوں نے باری باری حضرت علیؓ کو خلافت کی مبارک باد دی۔

ظاہر ہے کہ بیعت اور مبارک باد کے عمل پر چھ ماہ کی مدت صرف ہوئی ہوگی۔شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ کے بارے میں یہ مشہور کر دیا گیا کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر چھ ماہ تک بیعت نہیں کی تھی کیونکہ اس دوران وہ خود اپنی بیعت اور مبارک باد وصول کرنے میں ہی مصروف رہے۔اسی طرح کی دیومالائی کہانیوں سے ہی شیعہ مذہب ایجاد ہوا ہے۔بشرط صحت روایت اس کا پس منظر کچھ یوں بیان ہوا ہے:

حدیث من کنت مولاہ.....کا سبب ورود:

اس حدیث کے ورود کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یمن کا عامل بنایا تھا وہاں انہوں نے خمس کے مال سے ایک جاریہ اپنے لئے مخصوص فرمائی لوگوں نے اس بات پر اعتراض کیا اور آنحضرت ﷺ تک یہ شکایت پہنچائی۔ ایک دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے دو لشکر روانہ کیے تھے۔ ایک لشکر کے امیر حضرت خالدؓ تھے اور دوسرے کے حضرت علیؓ۔ حضرت علیؓ نے ایک قلعہ فتح کیا اور ایک لونڈی اپنے لئے مخصوص کر لی۔ حضرت خالدؓ نے حضرت براء بن عازبؓ کے ہاتھوں ایک خط اس بارے میں رسول اللہ کے پاس بھیج دیا۔ رسول اللہ نے جب لوگوں کی شکایت سنی اور یہ خط ملاحظہ فرمایا تو آپؐ نے فرمایا تم اس شخص کے بارے میں کیا چاہتے ہو جو اللہ و رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسول اس کو دوست رکھتے ہیں۔

آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا تا کہ لوگوں کے دلوں سے علیؓ کی شکایت نکل جائے اور ان کے دلوں میں محبت کے جذبات جگہ لیں۔ وہ لونڈی حضرت علیؓ کے اپنے حصہ میں انہیں ملی تھی۔ اسے سریہ بنانے میں کوئی گناہ نہیں تھا۔ لوگوں نے غلط فہمی میں آ کر اعتراض کر دیا تھا۔

جب آپ ﷺ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا تو حضرت عمرؓ گویا ہوئے:

اے ابوطالب کے فرزند خوش ہو جاؤ تم ہر مومن اور مومنہ کے دوست بن گئے ہو۔

یہ تمام تفصیل المستدرک للحاکم جلد ۳ باب **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** ص ۱۱۰۔۱۱۱ میں مذکور ہے۔

لفظ مولیٰ کے معنی:

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب سے ایک سائل نے دریافت کیا کہ حضرت علیؓ کو مولا علیؓ کہنا کہاں تک درست ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

بھائی مولا کا معنی ساتھی، رفیق یا آقا ہوتا ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے۔ **من کنت مولاہ علی مولاہ** یعنی جس شخص کا میں ساتھی، رفیق یا آقا ہوں۔ حضرت علیؓ بھی اس کا رفیق، ساتھی یا آقا ہے۔ یہ حدیث کے الفاظ ہیں اور درست ہیں لہٰذا متذکرہ لفظ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (ماہنامہ نصرت العلوم ص ۱۴ مئی ۱۹۹۹)

اہل تشیع کے نزدیک ''مولیٰ'' سے مراد حاکم اور اولیٰ بالتصرف ہے اور اسی کو امام کہتے ہیں۔ اس لفظ سے عقیدہ امامت پر استدلال بوجوہ باطل ہے:

اولاً: اس طریق استدلال و حجت میں پہلی خرابی اور خامی تو یہ ہے کہ مولیٰ بمعنی اولیٰ کسی جگہ استعمال نہیں ہوتا۔ اہل لغت اس کے قائل نہیں ہیں کہ ''مَفْعَلَ ، اَفْعَلَ'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

ثانیاً: اگر مولیٰ اولیٰ کے معنی میں استعمال ہو بھی تو بالتصرف سے اس کا صلہ ٹھہرانا کس لغت سے ثابت ہو سکتا ہے؟ نیز اگر بالفرض مولیٰ بمعنی اولیٰ تسلیم بھی کر لیا جائے تو اولیٰ بالمحبت والتعظیم والقرب کے معنی میں ہی ہو سکتا ہے نہ کہ اولیٰ بالتصرف کے معنی میں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَo (آل عمران ۶۸)

تحقیق ابراہیمؑ کے ساتھ زیادہ تعلق ان لوگوں کا ہے جو اس کی اتباع کرتے ہیں اور اس نبی کی اور ایمان والوں کی اور اللہ مؤمنین کا دوست ہے۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے متبعین اولیٰ بالتصرف نہیں ہیں۔

ثالثاً: لفظ مولیٰ حسب ذیل معانی میں مشترک ہے۔

دوست، مالک، محبّ، حبیب، معاون، ناصر، ساتھی، تابع اور ہمسایہ۔ لہٰذا کسی ایک معنی کی تخصیص کے لئے قوی قرینہ چاہیے اور یہ قوی قرینہ زیر بحث حدیث کے اندر ہی موجود ہے۔ حدیث کے آخری دعائیہ الفاظ ہیں۔ اللّٰھم وال من والاہ اے اللہ تو اسے دوست رکھ جو اس (علیؓ) کو دوست رکھے۔

پس حدیث مذکورہ میں بطریق اولیٰ یہ ثابت ہو گیا کہ یہاں مولیٰ سے دوست اور محبوب مراد ہے۔ حدیث میں کوئی لفظ ایسا موجود نہیں جو اس بات کا قرینہ بن سکے کہ مولیٰ بمعنی حاکم و امام ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کا دوست اور محبوب ہونا حضرت علیؓ ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اس کا اطلاق جملہ صحابہ کرامؓ پر بھی ہوتا ہے۔

اگر مولیٰ سے حاکم یا خلیفہ بلافصل مراد لیا جائے تو نبی اکرم ﷺ پر یہ سخت الزام آتا ہے کہ جس امر کی تبلیغ کا آپؐ کو تاکیدی حکم دیا گیا تھا اور بار بار تنبیہ بھی کی گئی تھی تو آپؐ نے افصح العرب والعجم ہوتے ہوئے صریح اور واضح تر الفاظ میں امامت کا اعلان کیوں نہیں کیا؟ اور اس کے لئے ایک مبہم اور کئی معانی میں مشترک لفظ کیوں استعمال فرمایا؟

جب معاملہ عقیدے کا ہو تو پھر اس کا اظہار اشارات و کنایات کے بجائے صریح اور واضح الفاظ میں ہونا چاہیے۔ امام ابونعیم المدائنی فرماتے ہیں:

حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ سے کسی نے کہا "**من کنت مولاہ**....." امامت علیؓ میں نص ہے تو فرمایا اگر رسول اللہ اس سے حکومت وامامت مراد لیتے تو اس سے صریح اور واضح تر لفظ بول سکتے تھے کیونکہ آپ ﷺ سب مسلمانوں میں سے زیادہ فصیح تھے۔

رابعاً: اہل تشیع کے بعض علماء نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حدیث "**من کنت مولاہ**....." سے حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل صراحتاً ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ طبرسی کہتے ہیں کہ:

"**اثبت حجة اللّٰه تعریضاً لا تصریحاً بقوله فی وصیة من کنت مولاه فعلی مولاه**"

(احتجاج طبرسی ص ۱۳۵ طبع نجف اشرف)

رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی حجت (حضرت علیؓ کے امام ہونے) کو اشارے سے ثابت کیا ہے نہ کہ صراحت سے اپنے اس قول میں جو آپؐ نے اپنے وصی (حضرت علیؓ) کے بارے میں فرمایا تھا "**من کنت مولاہ فعلی مولاہ**"

اہل تشیع کی ایک دوسری ''مایہ ناز'' کتاب میں بھی یہ اعتراف موجود ہے کہ حدیث موالاۃ سے حضرت علیؓ کی امامت پر استدلال میں لوگوں کا اختلاف ہے:

''اختلفوا فی دلالته علی الامامة''　　(شرح تجرید ص۲۳۰ طبع قم)

خامساً: قرآن مجید میں لفظ مولیٰ بمعنی مالک وآقا جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے آیا ہے۔مثلاً

اَنْتَ مَوْلٰنا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنo(البقرۃ۲۸۶)

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰکُمْ وَهُوَ خَیْرُ النٰصِرِیْنo(آل عمران۱۵۰)

لہٰذا حضرت علیؓ کے لئے لفظ مولیٰ (بمعنی آقا اور مالک) کا استعمال واضح شرک ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ کائنات یعنی عالم کا حاکم اور آقا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں اور اگر حضرت علیؓ کے لئے مولائے کائنات کی ترکیب میں لفظ مولیٰ بمعنی ناصر اور مددگار کے لیا جائے تو پھر بھی اس کا شرک اور ضلال ہونا واضح ہے کیونکہ پوری کائنات کے ناصر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔

سادساً: نزول قرآن کے زمانے میں لفظ مولیٰ بکثرت غلام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔مثلاً

نافع مولیٰ ابن عمرؓ، عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ، ابورافع مولیٰ رسول اللہ، سفینہ مولیٰ رسول اللہ۔ بلکہ وہ غلام جنہیں آزاد کر دیا گیا انہیں بھی مولیٰ کے لفظ سے ہی پکارا جاتا رہا۔

حدیث موالاۃ کی اسنادی حیثیت:

امام ترمذیؒ نے حدیث موالاۃ اس طرح نقل کی ہے:

حدثنامحمد بن بشار نامحمد بن جعفر نا شعبة عن سلمة بن کهیل قال سمعت ابا الطفیل یحدث عن ابی سریحة اوزید بن ارقم شک شعبة عن النبی ﷺ قال من کنت مولاه فعلی مولاه.

هذا حدیث حسن غریب وروی شعبة هذا الحدیث عن میمون ابی عبدالله عن زید بن ارقم عن النبی ﷺ نحوه.　(جامع ترمذی۔ابواب المناقب۔باب مناقب علی بن ابی طالب)

یہ حدیث حسن غریب ہے۔شعبہ نے یہ روایت میمون ابوعبداللہ کے واسطے زید بن ارقم سے روایت کی ہے۔شعبہ کو اس میں، شک واقع ہوا ہے کہ یہ روایت ابوسریحہ حذیفہ بن اسید سے مروی ہے یا زید بن ارقم سے۔

دوسرا شک یہ ہے کہ شعبہ نے یہ حدیث سلمہ بن کہیل سے روایت کی ہے یا میمون ابوعبداللہ سے۔

اس طرح اس روایت میں اضطراب پایا جاتا ہے اور مضطرب روایت ضعیف اور ناقابل قبول ہوتی ہے۔اس کے علاوہ میمون ابوعبداللہ جس پر اس حدیث کا دارومدار ہے وہ محدثین کے نزدیک لاشئی ہے۔

کان یحییٰ لا یحدث عنه وقال الاثرم ممن احمد احادیث مناکیر وقال اسحٰق بن منصور عن یحییٰ بن معین لا شئی وقال ابو داؤد فکلم فیه. (تہذیب التہذیب جلد۴ص۱۵۷)

یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں۔ ثبت علی تشیعه وہ اپنی شیعیت پر پکا رہا۔**قال ابو داؤد کان سلمة یتشیع.**

ابوداؤ د نے کہا سلمہ میں تشیع پایا جاتا ہے۔اس قسم کے راویوں سے مروی کسی حدیث سے حضرت علیؓ کی خلافت وامامت پر کیوں کر استدلال کیا جاسکتا ہے؟

حیرت ہے کہ اس ضعف کے باوجود بعض صوفیاء نے عقیدت کے جوش میں اسے حدیث متواتر قرار دیا ہے جبکہ محقق علماء حدیث کے نزدیک یہ حدیث نہ تو خبر واحد کے طور پر کسی صحیح سند سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی سند سے درجۂ صحت کو پہنچتی ہے گو اس کی اسناد بظاہر زیادہ ہیں۔

چنانچہ جلیل القدر محدث حافظ جمال الدین زیلعیؒ بسم اللہ بالجہر کی بحث میں لکھتے ہیں کہ:

نماز میں بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنے کی روایات اگر چہ بہت ہیں لیکن وہ سب کی سب ضعیف ہیں اور بہت سی روایات ایسی ہیں کہ ان کے راوی بہت ہیں اور ان کے طرق یعنی اسناد متعدد ہیں مگر پھر بھی وہ حدیثیں ضعیف ہیں:

کحدیث الطیر و حدیث الحاجم والمحجوم وحدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ. بل قد لا یزید کثرۃ الطرق الا ضعفا وانما یرجح بکثرۃ الرواۃ اذا کانت الرواۃ محتجا بھم من الطرفین.

جیسے حدیث طیر اور حدیث **الحاجم والمحجوم** اور حدیث **من کنت مولاہ.** بلکہ ان کے جس قدر طرق بڑھتے جائیں گے ان کا ضعف مزید بڑھتا جائے گا۔

کثرت رواۃ سے وہاں ترجیح ہوتی ہے جہاں راوی دونوں طرف سے احتجاج کے لائق ٹھہریں۔

(نصب الرایہ طبع جدید جلد اول ص ۴۳۷ وطبع قدیم جلد اول ص ۳۶۰)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

فلا یصح من طریق الثقات اصلاً. (منہاج السنۃ جلد ۴ ص ۸۶)

یہ حدیث ثقہ راویوں کی روایت سے اصلا درجۂ صحت کو نہیں پہنچتی۔

دیگر اکابر علماء ومحدثین مثلاً امام بخاری، ابن ابی حاتم رازی، ابراہیم الحربی، ابن ابی داؤ د اور ابن حزم ظاہری وغیرہ کو زیر بحث حدیث کی صحت میں کلام ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حدیث مولاۃ یعنی من کنت مولاہ فعلی مولاہ اس قدر ضعیف ہے کہ اس سے کسی عقیدہ کے اثبات میں حجت نہیں پکڑی جاسکتی چہ جائیکہ اسے خلافت وامامت جیسے اہم عقیدے میں نص قرار دیا جاسکے۔ کیونکہ عقائد کے اثبات کے لئے جن قطعی دلائل اور جس قطعی یقین کی ضرورت ہے وہ ظنی دلائل اور اخبار احاد سے حاصل نہیں ہوتا۔ جبکہ زیر بحث روایت ایک بھی سند متصل مرفوع سے ثابت نہیں ہے۔

اگر بالفرض اسے خبر واحد صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے زیادہ سے زیادہ حضرت علیؓ کی فضیلت ومنقبت ثابت ہوتی ہے نہ کہ عقیدہ امامت یا خلافت بلافصل۔

آخری قسط

خاندانِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بنو ہاشم سے رشتہ داریاں

مولانا حکیم محمود احمد ظفر

رشتۂ سوم:

تیسرا رشتہ جو خاندانِ صدیقی اور خاندانِ نبوی کے درمیان تھا، وہ یہ تھا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف تھے۔ اُمّ المؤمنین سیدہ اُمّ سلمٰی رضی اللہ عنہا کی ایک ماں جائی بہن تھی جن کا نام قریبۃ الصغریٰ بنت ابی اُمیّہ رضی اللہ عنہا تھا۔ وہ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں اس لحاظ سے اُمّ المؤمنین سیدہ اُمّ سلمٰی رضی اللہ عنہا سیدنا عبدالرحمٰن کی سالی ہوئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ہم زُلف ہوئے۔

اسی رشتہ سے ایک اور رشتہ جنم لیتا ہے کہ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے داماد تھے۔ وہ اس طرح کہ انھی قریبۃ الصغریٰ سے سیدنا عبدالرحمٰن کی ایک لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام حفصہ تھا۔ ان حفصہ کا نکاح پہلے سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے المنذر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اس کے بعد وہ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بعد ان کا نکاح عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے ہوا۔ بعض علمائے تاریخ نے سیدہ حفصہ کا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آنا پہلے لکھا اور المنذر بن زبیر بن العوام کے نکاح میں آنا بعد میں لکھا ہے۔ چنانچہ طبقات ابن سعد میں ہے:

حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی والدہ کا نام قریبۃ الصغریٰ بنت ابی اُمیّہ تھا۔ سیدہ عائشہ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اس کا نکاح المنذر بن زبیر بن عوام سے کرنا چاہا لیکن حفصہ کے والد عبدالرحمٰن گھر پر نہیں تھے۔ جب آئے تو انہوں نے اس نکاح کی اجازت نہ دی۔ پھر اپنی مرضی سے ان دونوں کا نکاح کر دیا۔ پھر المنذر رضی اللہ عنہ کے بعد ان (حفصہ) کا نکاح حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے ہوا۔ (طبقات ابن سعد، جلد: ۸، ص: ۴۶۸)

امام ابوجعفر بغدادی نے حفصہ کے نکاح کی ترتیب یہ ذکر کی ہے۔

حفصہ بنت عبدالرحمٰن کا نکاح پہلے سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے ہوا۔ ان کے بعد عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے اور اس کے بعد المنذر بن زبیر سے۔ (کتاب المحبّر، ص: ۴۴۸۔ لاہور)

رشتۂ چہارم:

خاندانِ صدیقی اور خانوادۂ علوی کی آپس میں ایک رشتہ داری یہ تھی کہ سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن ابی بکر، سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ہم زلف تھے۔ اس رشتہ سے قاسم بن محمد بن ابی بکر، سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہما کے خلیرے بھائی تھے۔ کیونکہ ایرانی بادشاہ کی دولڑکیاں مالِ غنیمت میں آئی تھیں۔ اُن میں ایک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئی۔ اور دوسری محمد بن ابی بکر کے نکاح میں آئی۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اس شہزادی سے جو اولاد ہوئی، ان میں زین العابدین تھے اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے اُس بادشاہ کی دوسری بیٹی سے قاسم بن محمد پیدا ہوئے۔ اس وجہ سے سیدنا زین العابدینؒ اور سیدنا قاسمؒ بن محمد آپس میں خالہ زاد بھائی تھے۔ اس رشتے کو سُنّی اور شیعہ دونوں علما نے تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ شیعہ حضرات کی سب سے معتبر کتاب اصولِ کافی میں ہے جس کا ترجمہ اصولِ کافی کے شارح علاّمہ قزوینی نے یوں کیا ہے:

امام باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یزدجرد کسریٰ ایران کی لڑکی جب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لائی گئی تو پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اس لڑکی کو مسلمانوں میں سے کسی ایک شخص کو پسند کرنے کا اختیار دے دیں۔ اس کے بعد اس شخص کے حصۂ غنیمت میں اس کو شمار کر لینا۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اس بات کو مانتے ہوئے اس کو پسندیدگی کا اختیار دے دیا۔ اس لڑکی نے حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور یہ اُن کے حصہ میں آ گئی، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس لڑکی سے اس کا نام پوچھا۔ اس نے کہا کہ مجھے شاہ جہان کہتے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں تیرا نام شہربانو یہ ہے۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تیرے لیے ایک لڑکا ہوگا جو اپنے زمانہ میں تمام اہلِ زمین سے بہتر ہوگا۔ چنانچہ اس سے امام زین العابدینؒ پیدا ہوئے۔ (اصول کافی مع شرح الصافی، حصہ:۲، ص:۲۰۴۔ نولشکور۔ جلاء العیون، ص:۶۷۲)

مشہور رافضی مصنف قاضی نوراللہ شوستری نے بھی اس رشتہ کو تسلیم کیا ہے جیسا کہ لکھا ہے

''قاسم، سیدنا زین العابدینؒ کی خالہ کا لڑکا تھا اور اس کی ماں ایران کے آخری بادشاہ یزدجرد کی لڑکی تھی۔''

(مجالس المؤمنین، مجلس پنجم، تذکرہ محمد بن ابی بکر) ان کتابوں کے علاوہ عمدۃ المطالب فی انساب آلِ ابی طالب، ص:۱۹۲، جلاء العیون، جلد:۲، ص:۶۷۴، کشف الغمّۃ، جلد:۲، الارشاد للشیخ مفید، ص:۲۳۷۔ اور دوسری کئی کتابوں میں بھی یہ ذکر کیا گیا ہے کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر، اور زین العابدین بن الحسین بن علی آپس میں خالہ زاد بھائی تھے۔

تعصب کا جنون:

عصبیت بھی عجیب چیز ہے۔ متعصب آدمی کبھی بھی حقیقت کا سامنا نہیں کرسکتا۔ تاریخی حقائق میں سے یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قادسیہ کی جنگ اور مدائن کی فتح نے کسریٰ ایران یزدجرد کی کمر

توڑ کر رکھ دی۔ اور اسی زمانہ میں شہر بانو اور اس کی بہن مالِ غنیمت میں مدینہ طیّبہ آئیں۔ جیسا کہ سیدنا محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے اصولِ کافی میں منقول ہے (ملاحظہ ہو: اصولِ کافی باب الحجۃ، ص:۲۹۲) لیکن بعض شیعہ مؤرخین نے امام معصوم کی مخالفت کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ یہ تو درست ہے کہ یزدجرد کی دولڑکیاں مدینہ طیّبہ لائی گئیں ان میں سے ایک تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں آئیں، اور دوسری محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ بنی۔ لیکن یہ واقعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں نہیں ہوا بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا۔ چنانچہ عباس قمی نے شیخ مفید کے حوالہ سے لکھا ہے:

شیخ مفید نے روایت کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حریث بن جابر کو بلادِ مشرق میں سے کسی شہر کا والی مقرر فرمایا۔ اور اس نے یزدجرد کی دولڑکیوں کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک ''شاہِ زناں'' نام رکھا تھا، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور دوسری محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ اس سے حضرت جعفر صادقؒ کے نانا قاسم بن محمد ابی بکر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ لہٰذا حضرت قاسم اور حضرت زین العابدین دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی ہوئے۔'' (منتہی الآمال، جلد:۲، ص:۴، کشف الغمّۃ، جلد:۲، ص:۲۹۵)

صاحبِ کشف الغمّۃ نے شہر بانو (شاہِ زناں) بنت یزدجرد کو شیخ مفید ہی کے حوالہ سے بجائے سیدنا زین العابدین کی ماں کے اعلیٰ اصغر کی ماں قرار دیا ہے۔ (جلد:۲، ص:۲۵۱)

لیکن سیدنا زین العابدین کی ولادت کے باب میں لکھا ہے:

فامّا امّه ام الولد اسمها غزالة و قيل بل كان اسمها شاه زنان بنت يزد جرد

(کشف الغمّۃ، جلد:۲، ص:۲۸۶)

پس آپ کی والدہ ایک باندی تھی جس کا نام غزالہ تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ اس کا نام ''شاہ زنان'' بنت یزدجرد تھا۔

آپ تاریخ کی کتابوں کی ورق گردانی کر جائیے آپ کو کسی معتبر روایت سے یہ بات ثابت نہ ہوگی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حریث بن جابر جعفی کو کسی شہر کا گورنر مقرر فرمایا ہو۔ یہ صرف اس بات کی تاویل کی گئی ہے تاکہ یہ بتایا جاسکے کہ اس واقعہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام نہیں آتا۔ لیکن حقیقت کو چھپایا نہیں جاسکتا۔

بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے تو کہ شہر بانو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں لائی گئی تب تھی اتنی بات تو ثابت ہوگئی کہ حضرت زین العابدین اور حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ اور خاندانِ صدیقی اور خاندانِ علوی کی آپس میں قریبی رشتہ داری تھی۔

رشتۂ پنجم:

سیدنا زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیرے بھائی قاسم بن محمد بن ابی بکر کی ایک صاحبزادی جو اُمِ فروہ کی کنیت کے ساتھ مشہور تھی۔ بعض علمائے انساب نے اس کا نام فاطمہ اور بعض نے قریبہ لکھا ہے۔ یہ صاحبزادی ائمہ اثناعشر کے پانچویں امام سیدنا محمد باقر کی زوجہ محترمہ تھی۔ فقہ جعفریہ کے بانی اور جلیل القدر امام سیدنا جعفر صادق انہی کے بطن سے پیدا ہوئے اور انہی کی گود میں پرورش پائی۔ یہ سیدہ اُم فروہ ماں اور باپ دونوں طرف سے صدیقی تھیں۔ ان کی والدہ کا نام اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق تھا، اور باپ سیدنا زین العابدین کے خالہ زاد بھائی سیدنا قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق تھے۔ گویان ان کی ماں صدیق اکبر کی پوتی اور باپ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پوتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں فقۂ جعفریہ کے بانی کا وجود صدیقی اور علوی خاندانوں کے ملاپ کا نتیجہ ہے۔ اسی وجہ سے جب ایک شخص نے سیدنا جعفر صادق سے پوچھا سنا ہے کہ آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے ہیں؟ تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا:

''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو میرے نانا ہیں، کیا کوئی شخص اپنے آباء واجداد کو گالی دینا پسند کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ مجھے کسی قسم کی عزت وشوکت نہ دے اگر میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عزت وشوکت تسلیم نہ کروں۔''

(احقاق الحق، قاضی نوراللہ شوستری، ص:۷)

اپنی والدہ سیدہ ام فروہ کے ماں اور باپ کی طرف سے صدیقی ہونے کی وجہ سے سیدنا جعفر صادق اکثر یہ فرمایا کرتے تھے اور بڑے فخریہ انداز میں فرماتے تھے:

ابوبکر نے مجھے دوبارہ جنا ہے۔ (عمدۃ الطالب، ص:۱۹۵۔ کشف الغمۃ، جلد:۲، ص:۳۷۳)

قاضی نوراللہ شوستری نے بھی سیدنا جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے اس جملہ کو نقل کیا ہے۔ ویسے تو علمائے انساب میں سے قریباً ہر ایک نے لکھا ہے کہ سیدہ ام فروہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پوتے اور پوتی کی بیٹی تھی۔ لیکن قارئین کی تسلی کی خاطر کے لیے چند ایک معتبر کتابوں سے حوالہ جات نقل کیے جاتے ہیں۔

۱۔ اصولِ کافی شیعہ مذہب کی سب سے معتبر کتاب ہے۔ اس وجہ سے کہ اثناعشری عقیدے کے مطابق آخری امام معصوم نے اس پوری کتاب کو پڑھ کر اس کے صحیح ہونے کی تصدیق فرمائی

چنانچہ اسی اصولِ کافی میں ہے:

سیدنا جعفر صادق کی والدہ اُمِ فروہ قاسم بن محمد بن ابی بکر کی صاحبزادی تھیں۔ اور اُمِ فروہ کی والدہ اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر تھیں۔ (اصولِ کافی مع شرح الصافی کتاب الحجۃ، ص:۲۱۴، جز وسوم مولد امام جعفر صادق)

انساب پر شیعہ علماء کی معتبر کتاب عمدۃ المطالب میں ہے:

سیدنا جعفر صادق کی والدہ قاسم بن محمد بن ابی بکر کی بیٹی تھیں۔ اور اُمِ فروہ کی والدہ اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر تھیں۔

اوراسی وجہ سے جعفر صادق کہا کرتے تھے مجھے ابوبکر نے دو دفعہ جنا ہے۔(عمدۃ المطالب فی انساب آلِ ابی طالب،ص:۱۹۵)

علامہ عباس قمی نے تو سیدہ اُمِ فروہ کے فضائل بھی بہت گنوائے ہیں تا کہ ان کی قدر ومنزلت سے آشنائی ہو سکے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''اُن (سیدنا جعفر صادقؒ) کی والدۂ ماجدہ جو کہ شرافت کا پہاڑ، قدر ومنزلت میں عالی، عزت وتکریم میں بے مثال اور عالی مرتبت جناب فاطمہ مسماۃ ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر تھیں۔ سیدنا صادق نے ان کے بارہ میں فرمایا تھا کہ میری ماں ایمان لانے والی، تقویٰ اور نیکی اختیار کرنے والی عورتوں میں سے تھیں، اور اللہ تعالیٰ نیکوکار لوگوں کو پسند کرتا ہے۔(منتہی الآمال: جلد۲،ص:۱۲۱،تہران)

یہ رشتہ خاندانِ صدیقی اور خاندانِ علوی میں بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں خانوادوں میں کوئی پُرخاش، کدورت، رنجش اور عداوت نہ تھی۔ بلکہ وہ سگے بھائیوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ آپس میں رشتہ داریاں بھی ہوتی تھیں۔ اور محبت وعقیدت کے مظاہر بھی۔ یہ رنجش اور عداوت کی داستانیں بعد کی بنائی ہوئی ہیں تا کہ اپنی فرقہ پرستیوں کے بُت کو قائم رکھا جا سکے۔

رشتۂ ششم:

خاندانِ صدیقی کی جس طرح رشتہ داریاں سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور اُن کی اولاد کے ساتھ تھیں، اسی طرح سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ بھی اُن کی رشتہ داریاں تھیں۔ ان میں سے ایک رشتہ داری یہ تھی کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے حبالۂ عقد میں (مختلف اوقات میں) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی دو بیٹیاں حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور ہند بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر تھیں۔ چنانچہ شرح نہج البلاغۃ میں ہے کہ:

روی مدائینی قال تزوّج الحسن حفصة بنت عبدالرحمٰن ابن ابی بکر.

(ابن ابی الحدید، جلد:۴،ص:۵، بیروت)

مدائینی نے روایت کیا ہے، سیدنا حسن بن علی نے حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے شادی کی۔

اسی کتاب میں ایک اور مقام پر ہے کہ:

و تزوّج هند ابنة عبدالرحمٰن بن ابی بکر. (ابن ابی الحدید، جلد:۴،ص:۸)

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ہند بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے شادی کی۔

صدیقی خاندان سے آلِ ابی طالب کے ان مشہور ومعروف رشتوں کے علاوہ اور بھی کئی تعلق داریاں ہیں جن کو طوالت کی وجہ سے بیان نہیں کیا جا رہا۔

منقبت

در مدحِ امیر المؤمنین سیدنا حسن رضی اللہ عنہ

محمد سلمان قریشی

ہیں دِل کی دھڑکن وہ فاطمہؓ کے تو نورِ چشمِ علیؓ حسنؓ ہیں
چمن نبی * نے لگایا تھا جو اُسی چمن کی کلی حسنؓ ہیں
خِطابت ایسی کہ لفظ و معنی کے جھرنے دِل میں اُترتے جائیں
جِلا جو بخشے دِل و نظر کو وہ ایسی اِک روشنی حسنؓ ہیں
اُٹھا کے کندھوں پہ ابنِ زہراؓ کو بولے صدیقؓ یہ علیؓ سے
نہیں شباہت میں آپ جیسے مگر شبیہِ نبی * حسنؓ ہیں
بنا ہے سیّد یہ میرا بیٹا صُلح کرائے گا مسلمیں میں
لِسانِ آقا * سے دنیا والو! جنہیں بشارت ملی حسنؓ ہیں
معاویہؓ سے مُصالحت میں ذرا بھی تاخیر تم نہ کرنا
یہ بات حضرت علیؓ نے جن سے بوقتِ رحلت کہی حسنؓ ہیں
نِفاق سے اور مُقاتلت سے بچا کے اُمت جنہوں نے یارو!
جنابِ حضرت معاویہؓ کو خِلافت اپنی جو دی حسنؓ ہیں
کیوں اُجلے دامن سے جل رہا ہے معاویہؓ کے، بتا تُو شیطاں!
معاویہؓ سے ہجومِ خلقت میں جن کی بیعت ہوئی حسنؓ ہیں
صحابہؓ آپس میں رحم دِل ہیں مگر اے سلمانؔ! یہ بھی سچ ہے
کتابِ امن اور آشتی کا وہ ایک بابِ جلی حسنؓ ہیں

☆ صلی اللہ علیہ وسلم

شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اور عصرِ حاضر کے چیلنج

مولانا محمد عیسیٰ منصوری*

برِصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بعد حضرت شیخ الہند محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کی خدمات سب سے نمایاں ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد ملّتِ اسلامیہ کو رام راج یا برہمن سامراج کا لقمہ تر بننے سے بچایا اور حضرت شیخ الہند نے برصغیر میں برٹش ایمپائر کے استحکام اور اسلام کے خلاف انگریز ہندو ملی بھگت کے بعد ملّتِ اسلامیہ کی بقا و رہنمائی کا پروگرام دیا۔ برصغیر کا تاریخ میں آپ کا کردار سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے، آپ نہ صرف مدرسۂ دیوبند کے پہلے طالب علم تھے بلکہ بانی مدرسۂ دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ علیہ کے حقیقی، علمی، فکری و عملی جانشین بھی تھے۔

۱۸۵۷ء کی شکست کے بعد برٹش ایمپائر اور برہمن سامراج نے ملی بھگت کر کے ملّت اسلامیہ کو غلام اور شودر بنانے کی منصوبہ بندی کر لی تھی، ملّتِ اسلامیہ ہند کسی محاذ پر دشمن کا سامنا کرنے کی سکت نہیں رکھتی تھی اور حوصلہ ہار چکی تھی۔ کیونکہ ۱۸۵۷ء میں علما و مشائخ اور دینی جذبہ رکھنے والے مسلمان ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں قتل و پھانسی پر چڑھ گئے یا کالا پانی و سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیے گئے۔ ایسے نازک حالات میں ملّتِ اسلامیہ کے لیے اپنا سب کچھ نچھاور کر دینے والا یہ جاں فروش طبقہ (علمائے حق) ملّت کے زخموں کو مندمل ہونے اور ایک نئی نسل کی تیاری کے لیے نئی حکمتِ عملی پر عمل شروع کر دیا، وہ حکمتِ عملی یہ تھی کہ کچھ عرصہ کے لیے دشمن کے سامنے سے ہٹ کر اسے غافل کر دیا جائے اور تعلیم و تربیت اور جہاد سے لیس ایک اور نسل تیار کی جائے، اس مشن کی خاطر دیوبند میں مدرسہ اور گنگوہ میں خانقاہ کے نام سے کام شروع ہوا، بقول حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ:

''میں نے (دشمن کو دھوکہ میں رکھنے کے لیے) اپنے مشن پر علم کی چادر ڈال دی ہے۔''

اور بقول حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ:

''حضرت الاستاذ رحمہ اللہ نے یہ مدرسہ کیا محض درس و تدریس کے لیے قائم کیا تھا؟ بلکہ شاملی کی شکست کے بعد تلافی کے لیے یہ پُر حکمت اقدام تھا۔''

آج بھی ہم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی پالیسی و حکمتِ عملی کے دور میں ہیں، برصغیر میں دین کے تمام تر شعبوں کا سلسلہ حضرت شیخ الہندؒ کی ذات پر منتہی ہوتا ہے، حضرت تھانوی ہوں یا علّامہ انور شاہ کشمیری، حضرت مدنی

☆ چیئرمین ورلڈ اسلامک فورم لندن

ہوں یا مولانا محمد الیاس یا مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ۔ بیسویں صدی کے تقریباً سب ہی اکابر حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے، ان اکابر نے ملّتِ اسلامیہ کے تحفظ و بقاء احیا و سربلندی کے لیے الگ الگ محاذ سنبھالا۔ حضرت مدنیؒ کا اصل محاذ یہ تھا کہ برصغیر اور عالم عرب سے انگریز کو نکالا جائے۔ حضرت تھانویؒ کا اصل کام تصوف کے متعلق، حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ادھورے کام کی تکمیل تھی یعنی تصوف کو بدعات و محدثات عجمی و بیرونی اثرات سے پاک وصاف کر کے قرآن وسنت کے عین مطابق بنا دیا جائے۔ حضرت مولانا الیاس کا اصل کام ملّتِ اسلامیہ کو کلمہ نماز اور دین کی مبادیات تک سے دوری ہوگئی تھی ان کے ایمان کو تازہ اور قوی کر کے انہیں پورے دین پر مستقیم کر دیا جائے۔ حضرت علاّمہ انور شاہ کشمیریؒ نے ایسے دور میں عالمِ اسلام سے حدیث اور علومِ حدیث ختم ہو رہے تھے، ملّتِ اسلامیہ میں حدیث کے علوم کا احیا کیا وغیرہ وغیرہ، یہ سب ہی اکابر حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے۔

بانیِ مدرسہ دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو ملّتِ اسلامیہ ہند کی بقا و سربلندی کے لیے خاکہ تیار کرنے کے بعد زیادہ وقت نہیں ملا، آپ چالیس سال کی عمر ہی میں جوارِ رحمت میں پہنچ گئے، آپ کی مشن کی تکمیل حضرت شیخ الہندؒ نے کی۔ آج دیوبندیت کے لیے اگر کوئی ہستی کامل آئیڈیل ونمونہ ہے تو وہ حضرت شیخ الہندؒ کی ذات گرامی ہے، دیوبندیت نام ہے چار اوصاف کا:

(۱) علمِ کامل (۲) عملِ کامل (۳) تقویٰ کامل (۴) حمیّت وغیرت کامل

آج ہم علمی، عملی وفکری ہر اعتبار سے حضرت شیخ الہندؒ کے دور میں ہیں۔ آج برِصغیر کے تمام شعبوں میں کام کرنے والے علما آپ کے شاگردوں کے تیار کردہ ہیں۔

یاد رہے حضرت شیخ الہندؒ کی جدوجہد صرف مسلمانانِ برصغیر کے لیے نہیں، بلکہ پورے عالمِ اسلام کے تھی، آپ خوب سمجھتے تھے کہ برِصغیر سے انگریز کے قدم اکھڑتے ہی وہ عرب اور دیگر مسلم ممالک پر قبضہ برقرار نہیں رکھ سکے گا۔ چنانچہ آپ نے اپنے رازدار وشاگردِ رشید حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کو جس مشن پر روانہ کیا تھا وہ عالمی مشن تھا، جس میں جرمنی (یورپ) سے اسلحہ، خلافتِ عثمانہ سے عسکری مدد، افغانستان سے راہ داری وفوجی قبائلی علاقوں سے جاں باز سپاہی لے کر پورے برصغیر کو انگریزوں سے آزاد کروانا تھا۔ حکومت کو اپنے خفیہ اداروں سے تھوڑی سی بھنک مل گئی، اسی لمحہ ڈاکٹر انصاری صاحب نے خفیہ میسج بھیجا، آپ گرفتاری سے قبل فوراً حجاز نکل جائیں، حجاز میں آپ خلافتِ عثمانیہ کے ترکی گورنر (مدینہ) غالب پاشا اور ان کے واسطہ سے خلافتِ عثمانیہ کے وزیر جنگ انور جمال پاشا سے ملاقات کر کے اپنے مشن کو آگے بڑھا رہے تھے، دوسری طرف برطانوی شعبہ انٹیلی جنس نے لارنس آف عربیہ کے ذریعے عربوں کو ترکوں سے آزادی کا جھانسہ دے کر حجاز میں ترکی کے مقرر کردہ حکمران شریف مکہ کو غداری پر آمادہ کر لیا۔ خلافتِ عثمانیہ کے ان غداروں نے حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے رفقاء کو قید کر کے برطانیہ کے حوالے کر دیا۔ اس طرح آپ تقریباً ساڑھے تین سال مالٹا میں قید رہے،

آپ نے قید میں جو صعوبتیں اٹھائیں، بڑھاپے میں آپ کا جسم زار و نزار ہو گیا اور متعدد موذی امراض لگ گئے۔ چنانچہ رہا ہو کر ہندوستان واپس ہوئے تو جسم کی ساری توانائی نچڑ چکی تھی بہ مشکل ساڑھے پانچ ماہ زندہ رہے وہ بھی مسلسل صاحبِ فراش اور وجع المفاصل، پیچش، بواسیر، تپ لرزہ جیسے متعدد موذی امراض کا شکار رہ کر، لیکن آپ اپنے مقاصد سے ذرا غافل نہیں ہوئے، آپ کی فکر و کارکردگی دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ آپ اپنی فکر، حکمتِ عملی اور پالیسی کے اعتبار سے اس وقت عالم گیریت (گلوبلائیزیشن) کے دور میں تھے جب یورپ محض نیشنل ازم (وطنیت) کے دور میں تھا۔

آپ ۸/جون ۱۹۲۰ء کو مالٹا سے رہا ہو کر بحری جہاز کے ذریعہ ممبئی پورٹ پہنچے، ممبئی میں دو روز نہایت مصروف گزارے، بندرگاہ سے مولانا شوکت علی اور تحریکِ خلافت کے ہزاروں پرجوش رضا کار شان دار جلوس کی شکل میں خلافت کمیٹی کے مرکزی دفتر واقع محمد علی روڈ لے گئے۔ ممبئی میں بھارت کی اہم سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں اور مشاہیر سے آپ نے ملاقاتیں کیں جن میں مہاتما گاندھی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ جیسے رہنما شامل تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت پورے برصغیر میں حضرت شیخ الہندؒ کے مقام و مرتبہ کا کوئی رہنما نہیں تھا۔ نہ صرف طبقہ علما نے بلکہ کانگریس، کمیونسٹ و سوشلسٹ پارٹیوں سمیت سب ہی نے آپ کو اپنا عظیم رہنما تسلیم کیا۔ دیوبند جا کر بھی آپ تمام سیاسی لیڈروں سے رابطہ میں رہے۔ لیکن مدرسۂ دیوبند کو حکومت کے غیض و غضب سے بچانے کے لیے آپ نے اپنے رابطے انتہائی خفیہ رکھے، آپ دیوبند میں مدرسہ سے دور ایک مکان میں سکونت پذیر ہوئے، جس کوٹھی کہا جاتا تھا۔ کانگریس، کمیونسٹ و سوشلسٹ اور دیگر پارٹیوں کے رہنما حضرت شیخ الہندؒ سے ملاقات و مشورہ کے لیے عموماً گہری رات کے بعد خاموشی سے آتے اور کوٹھی میں ٹھہر جاتے، آپ آدھی رات کے بعد ان سے چپکے سے ملاقات فرما لیتے، سرحد کے خدائی خدمت گار (خان عبدالغفار خان) کو حکم تھا کہ دیوبند نہ آئیں بلکہ دیوبند سے پہلے یا بعد کے اسٹیشن پر اتریں، آپ وہیں پہنچ کر ملاقات کر لیں گے۔

اسارتِ مالٹا کے دوران آپ ملّتِ اسلامیہ کی سربلندی کے لیے مسلسل غور و خوض فرماتے رہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں واپسی پر آپ نے اپنی پالیسیوں (حکمتِ عملی) کو یکسر تبدیل فرما دیا، آپ کی نئی حکمتِ عملی و پالیسی کے دو بنیادی ستون تھے، ایک عسکریت کے بجائے ڈائیلاگ، آپ نے دیکھا کہ عالمِ کفر دن بدن طاقت ور اور عالمِ اسلام کمزور و بے بس ہوتا جا رہا ہے اور اپنوں (مسلمانوں) میں غداری و بے وفائی آ گئی (ریشمی رومال تحریک اپنوں کی غداری ہی سے ناکام ہوئی) چنانچہ ایک قابل جرنیل کی طرح آپ نے جنگ کی حکمتِ عملی تبدیل کی، آپ مسلسل دیکھ رہے تھے کہ تقریباً ڈیڑھ سو سال سے مسلمان جہاد کا نعرہ لگا کر برطانیہ سے ٹکرا کر پاش پاش ہوتے رہے۔ کیونکہ انگریز برادرانِ وطن (ہندو) کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کی جہادی تحریکوں کو کچل دیتا تھا، ہندوستان میں ہندو انگریز کا ہاتھ تھام کر ایک مضبوط اور طاقت ور قوم بن رہا تھا اور مسلمان ٹکرا ٹکرا کر ختم ہو رہے تھے۔ اسی لیے آپ کی نئی حکمتِ عملی یہ تھی کہ ڈائیلاگ کے ذریعہ برادرانِ وطن کو آزادی کی جدوجہد میں ساتھ لیا جائے، آپ جانتے تھے کہ مسلمان تو پیچھے رہ کر بھی اپنے حصہ سے زیادہ قربانیاں دیں گے مگر ہندو

قوم مسلمان لیڈر شپ میں قربانی نہیں دے گی، آنے والی قیادت کے لیے ہندو (مہاتما گاندھی) کو آگے کیا۔ کیونکہ جب تک اکثریت ساتھ نہیں دیتی انگریز کو برصغیر چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے دوسری حکمتِ عملی یہ اختیار فرمائی کہ لارڈ میکالے کے نظامِ تعلیم نے مسلمانوں کے مقتدر طبقات اور شرفاء کو انگریز کی سوچ وفکر اور طرزِ زندگی کا وارث بنا دیا تھا، آپ نے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف دستِ شفقت بڑھا کر انہیں اپنا ترجمان بنا لیا۔ اس طرح انہیں اپنی سوچ وفکر اور امنگوں کا وارث بنا لیا۔ اس لیے آپ انتہائی ضعف و بیماری کے باوجود علی گڑھ مسلم یونیورسٹی تشریف لے گئے تاکہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنے درد وفکر میں شریک کر کے انہیں انگریز کے خلاف کھڑا کریں۔ آپ کے ضعف ونقاہت کا یہ عالم تھا کہ آپ دیوبند سے پالکی میں لیٹ کر روانہ ہوئے، نقاہت کی وجہ سے خطبۂ صدارت نہیں پڑھ سکتے تھے جو مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے پڑھا، جس میں آپ نے فرمایا:

''میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت ونقاہت کی حالت میں آپ کی اس دعوت پر اس لیے لبیک کہا کہ اپنی گم شدہ متاع کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں۔ پھر فرمایا: ''اے نونہالانِ وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار جس میں میری ہڈیاں پگھلی جا رہی ہیں، مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا۔''

اسی خطبۂ صدارت میں آپ نے فرمایا:

''آپ میں جو حضرات محقق اور باخبر ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ میرے بزرگوں نے کسی بھی وقت کسی اجنبی زبان سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم وفنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ ہاں بے شک یہ کہا کہ انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا کہ لوگ نصرانیت (مغربیت) کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب یا مذہب والوں کا مذاق اڑاتے یا حکومتِ وقت کی پرستش کرنے لگتے ہیں، ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لیے جاہل رہنا اچھا ہے۔''

آپ کے بے قرار دل سے نکلی صدا نے جدید طبقہ کے دل کو مسخر کر لیا، چنانچہ آپ نے ترکِ موالات یعنی برطانوی حکومت سے ہر طرح کا تعاون ختم کرنے کی اپیل کی تو یونیورسٹی کے بہت سے طلبا نے یونیورسٹی سے رشتہ توڑ لیا۔ یہ واقعہ ۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۰ء کا ہے۔ اس طرح دہلی میں جامعہ اسلامیہ مسلمانوں کی دوسری بڑی یونیورسٹی حضرت شیخ الہندؒ کی بدولت وجود میں آئی۔

غرض حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا سے واپسی پر برصغیر کی ملّتِ اسلامیہ کو دو بنیادی پالیسیاں عطا کیں۔ (۱) ڈائیلاگ (۲) جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو قریب کر کے انہیں اپنا ترجمان بنانا،

اگر ہم ڈائیلاگ کی راہ پر ہوتے تو آج عالم گیریت کے دور میں اقوامِ عالم سے ڈائیلاگ کے ذریعہ قرآن کے مطابق انسانی مسائل کا حل پیش کر رہے ہوتے، اسی طرح جدید تعلیم یافتہ طبقہ عالمی حالات کو جتنا سمجھتا ہے قدیم طبقہ نہیں اور جدید طبقہ کے پاس وہ زبان واسلوب ہے جسے اقوامِ عالم سمجھتی ہیں، صرف اس کے پاس قرآن وسنت کی صحیح رہنمائی نہیں ہے۔ اگر یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں تو ملّتِ اسلامیہ کی کشتی موجودہ حالات کے بھنور سے نکل سکتی ہے۔ کاش حضرت شیخ الہندؒ کو زندگی نے کچھ اور مہلت دی ہوتی تو آپ کسی حد تک قدیم وجدید کی خلیج پاٹ دیتے، سب سے زیادہ افسوس ناک امر یہ ہے کہ طبقۂ علما نے حضرت شیخ الہندؒ کے بعد آپ کی حکمتِ عملی فراموش کر دی۔ نہ ڈائیلاگ جاری رہا، نہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو قریب کر سکے، بلکہ دونوں طبقات میں دن بہ دن فاصلہ بڑھتا گیا۔

حضرت شیخ الہندؒ کے بعد آپ کے شاگردوں (جو بلا واسطہ یا بالواسطہ تقریباً تمام ہی علما دیوبند ہیں) آپ کی جدید پالیسی کے دونوں نکات پر توجہ نہیں دی۔ اگر طبقۂ علما ۱۹۲۰ء کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی پالیسی کے دونوں نکات پر کاربند ہو کر جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنا لیتے تو برصغیر کی تاریخ مختلف ہوتی۔

بندہ گزشتہ دنوں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے ملفوظات پڑھ رہا تھا، حضرت بار بار نہایت رنج وغم سے فرماتے:

''مولوی ہار گیا۔''

اور یہ مولوی اس وقت تک ہارتا رہے گا جب تک حضرت شیخ الہندؒ کی پالیسی پر نہیں آتا اور عصری تقاضوں سے آگاہ نہیں ہوتا۔

(مطبوعہ: ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند، جنوری ۲۰۱۳ء)

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

امانتیں اور ذمہ داریاں اہلیت والوں کے سپرد کرو

پروفیسر محمد حمزہ نعیم

ایک وقت تھا کہ مسلمانوں کے ذمہ دار امیر کی طرف سے اعلان کیا جاتا تھا کہ مدینہ سے کہیں دور فرات کے کنارے بکری کی بھوک کا بھی میں ذمہ دار ہوں.....اور آج پاکستان کے ذمہ دار وزیر داخلہ کی طرف سے اعلان بذریعہ میسج موصول ہوا کہ (۲۹ر جنوری ۲۰۱۳ء) ''فروی ۲۰۱۳ء میں کراچی میں گھمسان کی جنگ کا خطرہ ہے۔ بڑے پیمانے پر قتل و غارت گری ہوسکتی ہے۔'' ایسے لگتا ہے جیسے محترم وزیر داخلہ وزیر اطلاعات ہوں اور اہلِ وطن کی سلامتی کے ساتھ اُن کا کوئی تعلق نہ ہو۔ ان کی اطلاعات کا ذریعہ کیا ہے۔ کیا یہ خبریں براہِ راست امریکہ یا جو دوسرے محسن ملکوں سے آرہی ہیں۔ کیا انہوں نے محترم وزیر کو سلامتی اور تحفظ کے اقدامات سے منع کر دیا ہے یا کیا خود محترم وزیر گھمسان کی جنگ کی دھمکی دینے والے ہیں یعنی اُن کے طالبان نے ذمہ داری قبول کر لی ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم منتخب ہو چکے تو مسجد نبوی کے عام اجلاس میں اعلان فرمایا کہ اگر تم کسی اور کو خلیفہ رسول بنا لو تو میں اسے ترجیح دوں گا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اصحابِ رسول کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا:

''خاتم المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہمارے دین کا امام (ہماری نماز کا امام) بنایا ہم نے آپ کو اپنی دنیا کا بھی امام مان لیا۔''

ہم زلف رسول اور نسبتی برادر رسول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پوتے معاویہ بن یزید کے ہاتھ پر امیر المؤمنین کے طور پر بیعت کر لی گئی مگر چھے ماہ بعد انہوں نے یہ کہہ کر استعفیٰ دے دیا کہ میں اس ذمہ داری کو نبھانے میں مزید سکت نہیں پاتا۔ اہلِ اسلام کسی اہل تر شخص کو اپنا خلیفہ بنالیں۔ اس سے قبل سیدنا حسن بن سیدنا علی رضی اللہ عنہما کی بیعت خلافت کوفہ میں ہوئی تھی جبکہ دمشق میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ اسلام تھے۔ نواسۂ رسول سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلاحیت اور ذاتی خوبیوں میں کسی کو کلام نہیں تھا مگر اُنہیں اپنی بیعت کرنے والوں، اپنے ہی ماتحتوں سے بھرپور شکوہ تھا۔ آئے روز کے فسادات پر وہ اسی لیے قابو نہ پا سکے تھے کہ اُن کی رعایا اُنہی کے ماتحت لوگ دھوکا فریب سمیت ہر برائی کا مرقع تھے الّا ماشاء اللہ۔ دوسری طرف امیرِ شام کی خلافت نہایت کامیاب جا رہی تھی۔ نواسۂ رسول نے ایثار کی بلندیوں کو چھوا اور امیرِ شام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کا اعلان کر کے انہیں تمام عالم اسلام کا متفقہ امیر المؤمنین قرار دے دیا۔ اہلِ اسلام کے

تینوں گروہ مبایعین علی، مبایعین معاویہ اور غیر جانب دار اتنے مسرور اور فرحاں نظر آئے کہ اس یادگار کارنامے کو یادگار رسال کے طور پر ''عام الجماعۃ'' کا نام دے دیا۔

اسلام قتل وغارت گری اور جنگ کا نام نہیں۔ بلکہ اہلِ اسلام، اہلِ وطن کی حفظ وامان اور چادر وچار دیواری کے تحفظ کا نام ہے۔ امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جس بھی گورنر یا علاقائی حاکم میں کوتاہی پاتے، ذاتی یا عملی یعنی متعلقہ حاکم اگر امن وامان قائم نہ کرسکتا، اس کا کنٹرول اپنے علاقے پر نہ رہتا تو باوجود اس کے تقویٰ وطہارت اور ذاتی خوبیوں کے اُسے ہٹا کر دوسرا حاکم مقرر فرما دیتے۔

حاکم کی ذمہ داری اگر امن وامان نہیں، تحفظ مال وجان نہیں تو پھر وہ کس مرض کا علاج ہے.....خبریں بتانے کے لیے تو کوئی چھوٹا سا بندہ بھی مقرر کیا جاسکتا ہے بلکہ آج کل تو الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا خبر داری کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ داخلی سلامتی کا وزیر صرف خبریں دینے کے لیے نہیں ہوتا، نہ دہشت گردوں کی کمر توڑنے کے جھوٹے دعوے کرنے کے لیے ہوتا ہے بلکہ اُسے تو دہشت گردی کے امکانات ہی ختم کرنے کے لیے مقرر کیا جاتا ہے۔ مگر یہاں نہ تو رئیس الوزراء اُس کو سمجھاتے ہیں نہ وفاق کی علامت صدرِ محترم اُس سے جواب طلبی کرتے ہیں کہ اگر تم گھمسان کی جنگ اور قتل وغارت گری روک نہیں سکتے تو گھر تشریف لے جاؤ۔ بلکہ یہاں تو ایک طرف ان کو عدالت عالیہ سزا نے سنائی چند منٹ بعد صدر محترم نے اپنے خصوصی استثنائی اختیارات کے تحت اس سزا کو ختم فرما کر اُس کو داخلی سلامتی کی ذمہ داری پر بحال کردیا آج کل حکومت ختم ہونے کے بعد در بدر، خاک بسر چھپتے پھر رہے ہیں۔ اگر ذرا بھی ملک وملّت اور اسلامیانِ پاکستان کا درد اور اُن کی بھلائی کا احساس ہے تو ایسا وزیر داخلہ لایا جائے جو اپنی ذمہ داریاں نبھانے کا اہل ہو اور اپنی اہلیت کا اظہار بھی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ قرآن عظیم الشان کا اعلان واجب الاذعان موجود ہے:

''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں (اور ذمہ داریاں) اہلیت والوں ہی کے سپرد کرو۔'' (القرآن)

☆☆☆

شیر دے پتر.....!

ابوطلحہ عثمان

روتے ہوئے بیٹے سے ماں نے پوچھا بیٹا کیوں رو رہے ہو؟ بیٹے نے کہا امّی مہمانوں نے سارا کھانا کھا لیا، میرے چکھنے کے لیے بھی کچھ نہیں چھوڑا۔ ماں نے اُسے چپ کراتے ہوئے کہا بیٹا بس تھوڑی دیر صبر کرلو، مہمان ابھی چلے جائیں گے تو ہم مل کر روئیں گے..... یہ لطیفہ نہیں اہلِ وطن کی حالتِ زار کا نقشہ ہے۔

بی بی جمہوریت کی دعوت پر وطنِ عزیز میں جہاں ایم این ایز، ایم پی ایز اور سینیٹرز پانچ سال تک براجمان رہے وزیروں، مشیروں کی فوج ظفر موج اور وفاق کے ساتھ ساتھ صوبوں کی اپنی اپنی فوجیں۔ اس پر مستزاد تھیں۔ رئیس الوزراء پر رینٹل کیس میں اربوں غبن کا الزام اور عدالتِ عظمیٰ کا گرفتاری کا حکم بھی فضا میں معلق ہو کے رہ گیا ہے، اہلِ وطن کا نشانِ وفاق صدر سوئس اکاؤنٹس این آر او فیم.....ان سارے مہمانوں نے پاکستان کے ۱۸ کروڑ اُلّو باٹوں، بچوں اور اُن کی ماؤں کو رونے کا موقع بھی نہیں دیا کہ اگر کوئی جراءت کرے گا تو بقول اٹارنی جنرل ''سات سو مشتبہ افراد خفیہ اداروں کی حراست میں ہیں۔'' اِن سات سو کے علاوہ بقایا از ۱۸ کروڑ نادان بھی سمجھ چکے ہیں کہ اگر روئے یا چیخے چلائے تو ہمیں بھی ان ۷۰۰ کے ہمراہ بھیج دیا جائے گا لہٰذا مائیں خود روئیں، نہ اپنے نادان بچوں کو رونے دیا۔ اُن کی نظر مہمانوں کی حرکتوں پر رہی کہ وہ کب جاتے ہیں؟ کاش اُن کی آرزو پوری ہو..... جو پوری ہوتے نظر نہیں آتی۔ پہلے والے مہمان اگر بدہضمی کے ڈر سے کچھ وقت کے لیے رخصت ہو بھی گئے ہیں تو مہمانوں کی دوسری پارٹی آ رہی ہے اور یوں اہلِ وطن کی اُمیدوں پر اوس پڑی رہے گی۔ ''تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل''

یہاں تو سارے ہی ''شیر دے پتر'' ہیں۔ جیسے سردار جی نے بیٹے سے خوش ہو کر اُسے شیر دا پُتر کہا تو بیٹے نے کہا ابّا آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ سکول والی مِس بھی کہتی ہے ''تو کسی جانور کی اولاد ہے۔''

وطنِ عزیز کی عمر کے ۶۶ سال پورے ہو چکے مگر یہاں کوئی تو شیر ہونے پر مفتخر ہے اور کسی نے تلوار اور تیر سے اُمت کو گھائل کرنا اپنا معیارِ عمل بنایا ہوا ہے۔ مکّہ میں پیدا ہونے والا سیدھی راہ نہ پا سکا اور آخری دم کہہ رہا تھا میری گردن لمبی کاٹنا تاکہ دوسرے مقتولوں میں سردار نظر آؤں۔ سب یہی چاہتے ہیں کہ ہمیں استثنا حاصل رہے۔ ہم ملک وملّت کو بیچ کر اربوں کھربوں ڈالرز سے اپنے پیٹ کے تنّور بھرتے رہیں۔ اِلّا ماشاءاللہ سب ہی شیر دے پُتر ہیں جن کے سامنے اگر کوئی کامران فیصل آ جائے تو وہ رونے چلانے سے پہلے ہی سفرِ آخرت پر روانہ کر دیا جاتا ہے۔

سیّدتی واُمّی

سیدہ س بخاری

آتی ہی رہے گی ترے انفاس کی خوشبو
گلشن تری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

اگر جانے والوں کو روکنا ناممکن ہے تو اُن کا بھلانا یا اُن پر نوحہ گری بھی ممکن نہیں۔ اپریل ۲۰۱۲ء کو بچھڑنے والی ہستی کے انفاس کی خوشبو میرے رگ و پے میں، دل و دماغ میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ یہ خوشبو میرے اردگرد کے ماحول کو معطر کیے ہوئے ہے۔ اس ہستی کی یادوں اور باتوں سے مہکتا گلشن بڑا ہی پُر بہار ہے۔ کہیں ایمان و یقین کا سرسبز و شاداب شجر ہے اور کہیں غیرت و حمیّت، استغنا و خودی کے بیل بوٹے ہیں، کہیں تقویٰ و طہارت خلوص و وفا کے نرالے پھول تو کہیں شرم و حیا، صبر و رضا کے غنچے مسکرا رہے ہیں، کہیں امانت و دیانت کی کلیاں ہیں تو کہیں صداقت و حق گوئی کے سدا بہار شگوفے ہیں، گردشِ لیل و نہار برق رفتاری سے تین سو پینسٹھ کا چکر پورا کرنے کو ہے۔ جدائی و اداسی کے آنسوؤں میں بھیگے ان بے کیف اور مضطر شام و سحر میں کئی مرتبہ قلم اٹھایا لیکن کبھی دماغ نے ساتھ چھوڑ دیا کبھی اعصاب جواب دے گئے اور کبھی قلم لکھنے سے انکاری ہوا، لیکن اس سب کے باوجود دل کا مسلسل ایک ہی تقاضا رہا کہ ہمت سے کام لو اور اپنے حافظے میں محفوظ قیمتی یادیں اور باتیں آگے منتقل کر دو کہ ایسی باتیں کرنے والے اور ایسی یادیں چھوڑنے والے اب نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں۔ اپنے جسم و جاں میں بسی ہوئی خوشبو سے نسلِ نو کو متعارف کرا دو کہ شاید اس کا کوئی جھونکا کسی کی زندگی کا رُخ بدل دے۔

بحیثیت ماں دنیا کی ہر عورت عظیم ہے لیکن جو عورت اولاد کی جسمانی پرورش کے ساتھ روحانی و ذہنی تعلیم و تربیت میں اپنا سب کچھ تیاگ دے وہ یقیناً لائق صد تکریم ہے۔ میری خوش نصیبی اور بخت کی بلندی کی میری ماں ایسی ہی بے مثال عورت تھیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اُن کی آغوش اور گہوارۂ تربیت سے وابستہ بے پناہ یادوں میں کس کا ذکر کروں۔ اُن کی محبت اور سایۂ عاطفت میں گزرے لمحوں میں کس لمحے کو دہراؤں اور اُن کی سچی اور کھری باتوں میں سے کون سی بات پہلے سناؤں۔

بشری تقاضوں اور کمزوریوں سے کسی کو بھی مفرّ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی بہت سی صفات اور خوبیوں سے نوازا تھا جو انہیں اپنی ہم عصر بلکہ اپنے خاندان کی خواتین میں بھی سب سے ممتاز کرتی تھیں۔ اُن کی سب سے بڑی اور نمایاں صفت دین، علمِ دین اور اہلِ دین سے محبت ہے، اپنی اولاد کے حوالے سے سب سے زیادہ جس چیز کا انہوں نے خیال رکھا وہ تھی دینی، روحانی اور اخلاقی تربیت۔ انہیں عام ماؤں کی طرح اس بات کا قطعی شوق نہ تھا کہ اُن کی اولاد کے پاس دنیاوی ڈگریاں ہوں اور وہ اونچے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو بلکہ سب خواہشوں کی ایک ہی خواہش و آرزو تھی کہ اُن کی

اولاد دین دار اور دین کی خادم ہو۔ اس حوالے سے جتنی قربانی اُنہوں نے دی، اپنی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کے بعد پورے خاندان میں اس کی مثال نہیں۔ اپنی اولاد بالخصوص بیٹیوں کو علمِ دین سے آراستہ کرنے کے لیے جامعہ خیر المدارس کے احاطے میں مکان کرائے پر لیا، والد ماجد ملازمت کی وجہ سے شہر سے باہر تھے لہٰذا تن تنہا ہر طرح کی ذمہ داری نبھائی۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اپنی جدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اُسوہ یوں اپنایا کہ گھر کے سارے کام خود کیے حتیٰ کہ گھر میں پانی کا معقول بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے بہت مرتبہ ساتھ والے گھر سے جو کہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کا تھا، برقعے کے ساتھ پانی بھر کر لاتیں۔ اس کے علاوہ بہت سے ایسے مسائل کا سامنا کیا جو ہر عورت کے بس کی بات نہیں لیکن کبھی ہمت نہیں ہاری اور نہ ہی عام عورتوں کی طرح خود کو مظلوم سمجھا بلکہ حالات کا بھرپور مقابلہ کیا کہ یہ اُن کی زندگی کا مقصد اور مشن تھا۔ انہوں نے اپنے قول اور عمل سے ہر ممکن ہمارے ذہنوں میں علمِ دین کی اہمیت وعظمت کو اجاگر اور راسخ کیا، مثلاً اس حوالے سے جو پہلا نقش دین کی اہمیت کا ہمارے ذہنوں پر ثبت کیا وہ یہ ہے کہ ہر بچے کو تعلیم کی ابتدا کسی بزرگ شخصیت سے کروائی جس کو عرف میں تقریبِ بسم اللہ کہا جاتا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ اوّلین نقش بچے کی شخصیت پر یقیناً اثر انداز ہوتا ہے۔ میری بسم اللہ کے لیے جس ہستی کا چناؤ کیا گیا میرے لیے وہ باعثِ فخر وانبساط ہے۔ مجھے آج بھی یاد ہے امی جان نے بڑے اہتمام سے زردہ بنایا اور پھر سب گھر والوں کو ساتھ لے کر حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے گھر گئیں، وہ اپنی بیٹھک میں چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ مجھے اُنہوں نے اپنے پاس بٹھالیا باقی سب نیچے بیٹھ گئے اور پھر اُنہوں نے بڑی شفقت سے ''ا'' سے لے کر ''ج'' تک پڑھایا۔ وہ آواز، وہ انداز اور وہ نورانی سا وجود آج بھی میرے ذہن میں محفوظ ہے اور بلاشبہ یہ اُسی وجود کی کرامت اور برکت ہے جو آج دین کی تھوڑی بہت سوجھ بوجھ ہے۔

ہمارے اخلاق وکردار، عادت واطوار، گفتگو، اٹھنا، بیٹھنا، تعلیم سے لے کر کھیل کود تک ہر چیز پر اُن کی گہری نظر تھی۔ اس سلسلے میں وہ کسی رعایت کی قائل نہیں تھیں، ہم کیا پڑھ رہے ہیں، کیا لکھ رہے ہیں، کیا سُن رہے ہیں؟ اُن کے علم میں ہوتا۔ مثلاً ہم جب مدرسے سے گھر آتے تو اکثر ہماری تختی دیکھتیں کہ کیا لکھا ہے؟ اگر املا کی کوئی غلطی معلّمہ کی نظر سے رہ جاتی تو اُسے درست کرتیں، اُن کی طرف سے یہ بات ہمیں سمجھا دی گئی تھی کہ اگر تختی پر اللہ یا محمد لکھا ہوا ہے تو پھر وہ پودوں والی کیاری میں دھوئی جائے تاکہ پانی نالی میں نہ جائے۔

لباس کے معاملے میں وہ بہت سخت تھیں، فیشن یا جدت کی اُن کے ہاں کوئی گنجائش نہیں تھی۔ عام خواتین کی طرح وہ اپنے یا ہمارے کپڑوں کے فکر میں کبھی مبتلا نہیں ہوئیں، وہ اس سوچ کی حامل نہیں تھیں کہ ایک تقریب پر پہنا ہوا کپڑا دوبارہ نہیں پہنا جاسکتا۔ وہ اپنی وسعت کے مطابق عیدالفطر پر جو کپڑے بناتیں وہ عیدالاضحیٰ اور اس کے بعد بھی کسی تقریب میں جانے کے لیے اُسی ایک جوڑے کو کافی سمجھتیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اندر ہر طرح کے حالات سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت رکھی تھی۔ شادی سے پہلے وہ والدین کے گھر میں ایک شاہزادی تھیں لیکن بعد میں دیگر مسائل کے ساتھ

مالی اور معاشی تنگ دستی سے بھی وہ کبھی پریشان نہیں ہوئیں، اُن کے اندر صبر و رضا اور قناعت کا مادہ بہت تھا۔ مجھے وہ وقت ہمیشہ یاد رہتا ہے کہ جب مہینے کے آخری دنوں میں ہمارے گھر میں سالن نہیں پکتا تھا لیکن وہ ہمیں لسّی، چٹنی، پیاز، سلاد اور گھی شکر سے یوں اطمینان سے کھانا کھلاتیں جیسے اُن کے بچے قورمہ پلاؤ کھا رہے ہوں۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رزق کی حد سے زیادہ سے زیادہ قدر کرتیں، اُن کی کوشش ہوتی کہ روٹی کا ایک ٹکڑا بھی ضائع نہ ہو اسی لیے وہ ہمیشہ رات کی باسی روٹی گرم کر کے خود بھی کھاتیں اور ہمیں بھی کھلاتیں۔ بلکہ اگر روٹی زیادہ سوکھ جائے تو پھر اُس کے ٹکڑے پانی میں بھگو دیتیں اور گُڑ ڈال کر میٹھا بنا دیتیں جسے ہم بہت شوق سے کھاتے۔ ہماری تعلیم اور صحت کا بہت خیال رکھتیں، ہمیں کوئی بھی ایسی چیز کھانے کی اجازت نہ تھی جو صحت کو نقصان دے۔ مدرسے جانے سے پہلے جب اُن سے پیسے مانگتے تو پہلی بات یہ ہوتی کہ روزانہ پیسے لینا ضروری نہیں اور پھر اگر دے دیے تو اگلی بات یہ ہوتی کہ مجھے بتاؤ کیا کھاؤ گی۔ تعلیمی ضروریات ہر ممکن طریقے سے پوری کرتیں اس وجہ سے ہمیں کبھی بھی اپنی جماعت میں یا اُستاد کے سامنے شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ صداقت کی صفت میں وہ اسم بامسمّیٰ تھیں۔ ہمیشہ سچ بولا، سچ سکھایا اور سچائی پر رہنے کی تلقین کی، میں قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں کہ اُنہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، ہاں بات بھول گئی ہوں تو اور بات ہے۔ اپنی کسی چیز کو کبھی تالا نہیں لگایا، اُن کا کہنا تھا کہ تالا چور کے لیے ہوتا ہے۔ چاہتی ہوں میرے بچوں کی نیت اتنی صاف اور نظر اتنی سیر ہو کہ وہ کسی چیز کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں، الحمدللہ وہ اس میں کامیاب رہیں۔ حقوق العباد کی ادائیگی کے حوالے سے اُن کی تربیت کا پہلا قدم یہ تھا کہ وہ کھانے پینے کی اشیاء معمولی ہوں یا بہت اعلیٰ ہر ایک کو اُس کا حصہ الگ کر کے دیتیں، کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ کسی کو کوئی چیز پسند نہیں تو وہ کہتیں مجھ سے اپنا حصہ لے لو پھر جس کو مرضی دو، اُن کے اس عمل کا ہمیں بہت زیادہ نفع ہوا۔

دیانت اور امانت اُن کی گھٹی میں تھی اور اُن کی زندگی کے ہر پہلو کو محیط تھی۔ کسی کی چیز کو بلا اجازت استعمال کرنے یا کسی امانت میں تصرف کرنے سے وہ بہت احتیاط کرتیں، شوہر کے مال کے حوالے سے بھی بہت محتاط تھیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مکمل مصداق تھیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب عورتوں میں سے قریش کی عورتوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

''صَالِحُ نِساءِ قُرَیشٍ اَحْذَاہُ علیٰ ولدٍ فِی صِغرہٖ و اَرْعاہ علیٰ زوجٍ فی ذات یدہٖ''

قریش کی نیک بخت عورتیں اپنے چھوٹے بچوں پر شفیق ہوتی ہیں اور اپنے شوہر کے اس مال کی جو ان کے قبضے میں ہوتا ہے، بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں۔''

ہم سب اس بات کے گواہ ہیں کہ اُنہوں نے اپنے شوہر کے مال سے ایک پائی بھی ضائع نہیں کی بلکہ عام خواتین سے ہٹ کر اس مال کو شوہر کے عزیز و اقارب پر سب سے زیادہ خندہ پیشانی سے خرچ کیا، ہم نے کبھی بھی اُن کی طبیعت میں تکدر نہیں دیکھا بلکہ اپنے سُسرالی رشتہ داروں کی خوب خوب خدمت کی، اُن کا یہ ایمان تھا کہ ہر آنے والا اپنا نصیب کھاتا ہے۔

زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی ادائیگی کا بہت زیادہ خیال رکھتیں۔انہیں جب زیور کی زکوٰۃ میں مشکل پیش آتی تو اسے فروخت کر کے اطمینان کا سانس لیا۔دوسروں کو بھی اس کی ترغیب وترہیب دلاتیں۔مشتبہ چیزوں کے استعمال سے بھی گریز کرتیں یا پھر اُس کا حل نکالتیں،مثلاً ہمارے گھر آ کر کوئی ہدیہ میں اپنے باغ کا پھل یا کوئی اور جنس بھیجتا تو عموماً ترازو لے کر تول کر کچھ مقدار الگ کر دیتیں اور کہتیں کہ اکثر لوگ عشر نہیں ادا کرتے ، میں ہنستی کہ امّی جتنی مقدار آپ نے نکالی ہے یہ تو ثلث یا رُبع ہے لیکن اُن کا اطمینان اسی میں ہوتا۔

اسی طرح سابق صدر پاکستان محمد رفیق تارڑ صاحب (جو کہ نانا جان کے عقیدت مند بھی ہیں) نے دورانِ صدارت بھائی جان کے ہاتھ کچھ ہدیہ بھیجا جو کہ اُنہوں نے بڑے تامل سے لیا اور بھائی جان سے کہا کہ ''آئندہ احتیاط کرنا۔خصوصاً جب تک وہ صدر مملکت ہیں'' کچھ عرصہ بعد پھر اُنہوں نے دوبارہ بھیجا تو بھائی جان سے کہنے لگیں:

''کفیل تم نے نہیں لینا تھا'' بھائی جان نے کہا میں نے اُنہیں آپ کا پیغام دے دیا تھا جو اُنہوں نے بڑی خوش دلی سے سُنا اور کہنے لگے کہ:

''ہمشیرہ سے کہہ دیں کہ الحمدللہ یہ بالکل حلال ہے۔پھر بتانے لگے کہ میری اہلیہ بھی اسی طرح آنے والے تحائف اور چیزوں کے بارے میں بہت محتاط ہے۔''

اسی طرح وقف کے مال میں وہ حد سے زیادہ حساس اور سخت تھیں،اس سے یوں گریز کرتی تھیں جیسے کوئی انگارہ ہو۔اس بارے میں وہ آخر تک ہمیں نصیحت کرتی رہیں اور ہر مرتبہ نانا جان کا یہ قول ضرور سناتیں کہ ''بیٹا وقف کے مال سے بچتے رہنا یہ جہاں گیا پہلا بھی ساتھ لے گیا، میں نے کئی ایسے گھرانے دیکھے جنہوں نے وقف کا مال کھایا اور پھر تباہ ہو گئے۔'' ان کی احتیاط کا اندازہ اُن کے اپنے عمل سے لگایا جا سکتا ہے کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ ہمارا اخبار مدرسے کے دفتر میں گیا اور وہاں ملازم نے دفتر کے اخبار کے ساتھ ہمارے اخبار کو بھی پن لگا دی۔جب اُنہیں اس بات کا پتہ چلا تو دفتر میں باقاعدہ ادائیگی کی اور بھائی جان سے کہا کہ آئندہ ہمارے اخبار کو دفتر سے پن بالکل نہ لگائی جائے۔اسی طرح ایک ملازم نے گھر سے منگوائے گئے سودے کا حساب کاغذ پر لکھ کر بھیجا تو وہ سخت برہم ہوئیں کہ دفتر کا کاغذ ذاتی استعمال میں کیوں آیا، بھائی جان نے وضاحت کی کہ یہ کاغذ کی وہ بے کار کترنیں ہوتی ہیں جنہیں ہم ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں۔تو اُن کا جواب تھا پھر بھی احتیاط اچھی ہے۔

اسی طرح ہمارے گھر کی پانی کی ٹینکی مکینک نے اس وجہ سے کہ زیادہ اونچی جگہ پر رکھی جائے، جامعہ بستانِ عائشہ کی چھت پر رکھ دی۔اُنہیں بعد میں پتہ چلا تو ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اس کا حل یہ نکالا کہ ہر ماہ جامعہ بستانِ عائشہ کو ٹینکی کا کرایہ دینا شروع کر دیا جو کہ آج تک جاری ہے۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مواقع پر اُن کا عمل یہی تھا۔میں یہ کہوں گی کہ وہ اپنے والدین کا پرتو بلکہ عکسِ جمیل تھیں۔میں نے بہت کم صفات اور خصوصیات کو یوں منتقل ہوتے دیکھا ہے۔اُنہیں اپنے والدین سے بے پناہ محبت اور عقیدت تھی، نہ صرف والدین بلکہ اُن کے تعلق داروں سے بڑی محبت سے ملتیں۔اس کی ایک چھوٹی سی مثال پانچ

سال قبل ہمارے علاقے کی کارپوریشن کی مہترانی ایک دن اچانک گھر آ گئی، اس کا تعارف یہ ہوا کہ وہ ہمارے ننھیالی محلے کی تھی اور اس کی ایک عزیزہ نانی امّاں کے گھر کام کرتی تھی اس وجہ سے اس کو اتنی پذیرائی ملی کہ پھر اس کا کام سے فارغ ہو کر امّی کے پاس اکثر آنا اور اپنے حال احوال کے ساتھ چائے کی پیالی پینا معمول ہو گیا، یہ معمول اُن کی وفات کے ایک سال بعد تک آج بھی جاری ہے۔

وہ ہمیں نانا ابا جی کی ایک ایک بات بچپن سے اب تک یوں سناتی آئی تھیں کہ اُنہیں نہ دیکھنے کے باوجود بھی یوں لگتا ہے کہ ہم نے اُنہیں دیکھا ہے، وہ اپنی ہر خوبی اور ہر حاصل ہونے والی نعمت کو اللہ کے فضل اور والدین کی دعا اور تربیت سے منسوب کرتیں۔ دینی غیرت وحمیّت انگریز اور اُس کی تہذیب سے نفرت اُنہیں وراثت میں ملی تھی اس کا اظہار وہ برملا اور بغیر کسی مصلحت کرتیں، بلاضرورت انگریزی بولنے، انگریزی تعلیم کی فوقیت یا اس تہذیب کو اپنانے پر فوراً ٹوک دیتیں اور سمجھاتیں کہ یہ زبان ضرورتاً سیکھو لیکن اپنے اوپر مسلط مت کرو۔ یہ بہت مفلس زبان ہے اس میں ہر رشتے کے لیے دو ہی لفظ ہیں انکل اور آنٹی۔ فیشن، جدت، ترقی اور آزادی کے نام پر بے غیرتی و بے حیائی کے مناظر، خبریں اور مضامین اخبارات ورسائل میں دیکھ اور پڑھ کر وہ کڑھتیں اور کثرت سے استغفار کرتیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اُن کے خون میں شامل تھی۔ دیارِ حرم جانے والوں میں سے جو کوئی بھی اُنہیں ملنے آتا تو وہ آبدیدہ ہو جاتیں اور گلوگیر لہجے میں روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کو کہتیں۔ ایک مرتبہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہنے لگیں کہ ''یوں کہنا آپ کے غلام کی بیٹی سلام عرض کرتی ہے''..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس اور ختمِ نبوّت کے حوالے سے وہ بے حد حسّاس اور چوکنا تھیں۔ اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنی ہمت وبساط کے مطابق وہ جو کچھ کر سکتی تھیں ضرور کرتیں۔ مثلاً جب ڈنمارک اور دیگر ایک دو ملکوں میں ملعونین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکے بنائے تو وہ اس گستاخی پر بہت ہی آزردہ، غم زدہ اور غصہ میں تھیں، پھر اُنہوں نے ایک فیصلہ کیا اور اس کو گھر میں نافذ کیا کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی وہ چیزیں جن کا متبادل موجود ہے گھر میں نہیں آئیں گی، اُن کا یہ فیصلہ آج تک بھی اسی طرح برقرار ہے۔ وہ قرآن کی ان آیات پر ہر ممکن حد تک عمل پیرا رہیں ''وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ. اور لَایَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ''انہوں نے ہر قسم کی مصلحت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے بیگانے سب تک دین کا پیغام پہنچایا اور جواب میں ہر طرح کے نتائج کا سامنا کیا۔ وہ واقعی کسی سے نہیں ڈرتی تھیں اور جس سے ڈرتی تھیں اُس نے اُن کی بڑی مدد کی۔ اُنہوں نے اپنی چار نندوں اور دیور کو قرآن اور دین کی ابتدائی بنیادی تعلیم اپنے پاس رکھ کر دی نہ صرف یہ بلکہ آگے اُن میں سے کئی ایک کے بچوں کو اپنے پاس رکھا، اس میں اصل جو اُن کا کمال تھا وہ یہ کہ ان سب کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اپنی اولاد کے ساتھ تھا۔ تعلیم وتربیت اخلاق واعمال کی اصلاح، عادات واطوار، لباس کی درستگی سے لے کر کھانے پینے تک ہر چیز میں مساوات رکھی، واللہ ایسی مساوات میں نے نہیں دیکھی۔ اس حسنِ سلوک کا وہ سب بھی اعتراف واقرار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں استغنا، خودی،

سادگی وعاجزی وافر عطا کی تھی، دنیاوی اعتبار سے بڑے جاہ ومرتبہ والی خواتین سے بھی اُن کی ملاقات ہوئی لیکن میں نے کبھی اُنہیں کسی کے عہدے، امارت یا ظاہری وجاہت سے لمحہ بھر کو بھی متاثر ہونے نہیں دیکھا۔ ہاں اپنے ابا جی کی طرح عوام الناس، غربا، مساکین اور سفید پوش لوگوں سے بہت محبت سے پیش آتیں، اُن کی پریشانیاں اور مسائل سُن کر حتی الوسع مدد کرتیں، اُن سے ملنے اور محبت کرنے والوں میں اعلیٰ سے ادنیٰ ہر درجہ کے لوگ موجود ہیں جس کی ایک مثال پیالے فروخت کرنے والی خانہ بدوش ماسی شریفاں ہے جو تقریباً پچیس سال سے اُن کی بہن بنی ہوئی ہے اور اُن کی جدائی سے نڈھال آج بھی اس تعلق کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اپنی مخلوق کے ذریعے بے پناہ محبت سے نوازا.....

اسراف سے حتی الامکان گریز، قناعت اور اعتدال کی راہ اُنہیں پسند تھی۔ کسی کی چیز کو دیکھ کر اُس پر ریجھنا یا بلاضرورت چیز لینا اُن کے نزدیک بے وقوفی تھی، سادگی اُن کے مزاج کا خاصہ ہی نہیں ایمان کا حصہ تھی۔ اُن کی اپنی ایک خاص ہی سادہ وضع قطع تھی، وہ کہیں بھی جائیں اور خواہ کوئی بھی آئے وہ اسی میں راحت محسوس کرتیں۔ شکر گزاری بھی بے مثال تھی، جب اُن کا ہاتھ تنگ تھا قناعت وشکر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا اور جب اللہ نے اپنے فضل کی بارش کی تو راہِ اعتدال سے ایک انچ بھی نہ ہٹیں اور اُن کا طرز زندگی وہی رہا۔ تصنع یا بناوٹ اُنہیں چھو کر بھی نہ گزرے تھے۔ منافقت اور تملق اُن کی لغت سے خارج تھے، اُنہوں نے جس سے محبت کی دل سے کی اور جس سے شکوہ ہوا اُسے ظاہر کر دیا۔

تقویٰ وطہارت مبالغے کی حد تک تھی، اُن کے نزدیک ظاہری صفائی سے پاکی کی اہمیت زیادہ تھی اور اس قدر تھی کہ میں کئی مرتبہ مذاق کرتی امّی اس مسئلے میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو گنجائش دیتے ہیں لیکن آپ کے ہاں کوئی گنجائش نہیں۔ صبر وتسلیم اور رضا بالقضا کا جو مظاہرہ پیرانہ سالی میں اپنے لختِ جگر کی جدائی پر کیا وہ اُن پر اللہ کی خاص عنایت تھی۔ وہ بحیثیت ماں بہت شفیق تھیں لیکن اللہ کے دین کے معاملے میں اُنہیں کوئی رأفت ومودت نہ گھیرتی۔ میں اُن کا یہ انداز دیکھتی تو مجھے یہ حدیث یاد آجاتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو دس نصیحتیں ارشاد فرمائی تھیں اُن میں سے تین یہ تھیں ''**وَانفِق عَلٰی عَیَالِک مِن طُولِک وَلَا تَرفَعُ عَنھُمُ عَصَاک ادباً و اَخفھُم فِی اللّٰہ**'' اپنی اولاد پر وسعت کے مطابق خرچ کرو اور ان سے ادب سکھانے والی لاٹھی مت ہٹاؤ اور انہیں اللہ کے بارے میں ڈراتے رہو۔ وہ آخر دم تک ان تینوں باتوں پر عمل پیرا رہیں۔ انہیں اپنے بھائیوں اور اُن کی اولاد سے دلی پیار تھا بالخصوص پیر جی ماموں کے بچوں سے شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بھی اپنی پھپھو سے جی جان سے پیار کرتے اور ہر بات میں رہنمائی لیتے، وہ اپنے بھتیجے، بھتیجیوں کی دینی ترقی پر بہت خوش ہوتیں اور ڈھیروں دعائیں دیتیں۔ ایک مرتبہ مجھے کسی بات کے جواب میں کہا کہ میں نے اپنے باپ کی وفات پر اُن کے خون سے عہد کیا تھا اور میں اُس پر قائم ہوں۔

اُنہوں نے اپنی زندگی کے ہر پہلو میں یادگار اور لازوال نقوش چھوڑے ہیں لیکن کچھ نقوش اتنے گہرے ہیں اور کچھ مناظر ایسے خوبصورت اور دلآویز ہیں کہ اکثر یاد آتے ہیں اور بڑا ہی بے قرار کر جاتے ہیں۔ اپنی جوانی سے لے کر بیماری کے

آخری چند سال سے پہلے تک اُن کا یہ معمول تھا کہ نماز کے بعد اپنے مخصوص انداز و آواز میں ذکر اذکار کرتیں، بالخصوص فجر، مغرب اور عشا میں اور آخری دس پندرہ سالوں میں اُن کا معمول تھا کہ وہ سردیوں میں ظہر کی نماز پڑھ کر وہیں اپنی نماز کی چوکی پر بیٹھ رہتیں اور عشا پڑھ کر اُٹھتیں اور گرمیوں میں مغرب وعشا۔ حزب الاعظم کی بہت ساری دعائیں اور نماز کے بعد کی سورتیں اسی وجہ سے میرے حافظے میں محفوظ ہیں۔ اُن کے باقی معمولات تو اب اختلاج قلب، ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے چھوٹ گئے تھے لیکن رات کو سوتے وقت کلمہ شہادت، ادعیہ ماثورہ بلکہ اکثر چھے کلمے، ایمان کی صفتیں اور لانبیّ بعد محمد لا اُمّۃ بعد اُمّۃ محمد، قدرے آواز کے ساتھ پڑھنا اُن کا معمول تھا۔ دن یا رات میں جب بھی اُن کی طبیعت زیادہ خراب ہوتی تو وہ اہتمام کے ساتھ بلند آواز سے یہ سب کچھ پڑھتیں۔ رات کو کئی مرتبہ اُن کی اس آواز سے میں اُٹھ جاتی اور اُن کی طبیعت کی ناسازی کا پتہ چل جاتا۔ میں کہتی آپ مجھے آواز دے دیتیں تو وہ کہتیں میرا جی نہیں چاہتا تمہیں اُٹھانے کو سارا دن کی تھکی ہوئی ہوتی ہو۔ واحسرتا

ایسا کہاں سے لائیں تجھ سا کہیں جسے

اُن کا وجود ہمارے لیے کس قدر اہم اور بابرکت تھا اس کا اندازہ اُن کی زندگی میں بھی بخوبی تھا، اُن سے جدائی کا تصور بڑا ہی سوہانِ روح تھا۔ وہ اپنے گھر کی ملکہ تھیں، اُن کے بیٹھنے کی اپنی مخصوص جگہ تھی۔ ہم سب گھر والے اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوتے اُن کی نگاہ ہر ایک پر ہوتی، ساتھ ساتھ کوئی نہ کوئی بات سنا یا سمجھا دیتیں، عمر کے اس حصے میں بھی وہ گھر کے معاملات میں ممکن حد تک معاون تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے ہمارے ہر کام میں اُن کی مرضی اور برکت شامل ہے کوئی نہ کوئی اُن سے ملاقات کے لیے آجاتی اور کبھی سارا دن آنا جانا لگا رہتا، جسے ہمارے ہاں یوم الورود کا نام دیا جاتا، تین چار سال سے اُن سے ملاقات کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی جارہی تھی جس پر وہ کئی مرتبہ ہنس کر کہتیں لگتا ہے کوچ کا وقت قریب آ گیا ہے۔ آنے والی خواتین جب اُن سے عقیدت یا نسب کے اعتبار سے رشک کا اظہار کرتیں تو وہ استغفار کرنے لگ جاتیں، عاجزی وانکساری کا اظہار کرتیں اور اکثر یہ دعا مانگتیں کہ اللہ ہمیں ان محبت کرنے والوں اور ہمارے بارے میں اچھا گمان رکھنے والوں کے سامنے روزِ حشر شرمندگی سے بچانا۔

۱۳/اپریل جمعہ کے دن اُن کی طبیعت معمول کے مطابق تھی بلکہ قدرے بہتر میری خوش قسمتی کہ چھٹی کی وجہ سے اُس دن اُن کے سارے چھوٹے چھوٹے کام میں نے کیے۔ صبح ناشتے کے وقت بڑی پُرمسرت آواز میں مجھے پکارا اور کہا کہ ایک اچھی خبر سنو، کویت کی پارلیمنٹ نے توہینِ رسالت کے خلاف قانون پاس کیا ہے۔ یہ اُن کا معمول تھا کہ وہ ہمیں کام کاج کے دوران اہم خبروں سے آگاہ کرتی رہتیں۔ پھر دوپہر کو میں فارغ ہو کر اُن کے پاس بیٹھی تو اُس وقت بھی اسلام اخبار کا مطالعہ کر رہی تھیں۔ مجھے کہنے لگیں سنو یہ کیسا ایمان افروز واقعہ ہے، پھر حضرت عمران بن حصین کا واقعہ سنایا۔ کافی دیر جمعے کا بیان سنتی رہی اور پھر نماز کی تیاری کرنے لگیں تو اچانک طبیعت خراب ہوگئی، ہم نے معمول کی بات سمجھی لیکن تکلیف میں جب شدت ہونے لگی تو پھر جس سے جو ممکن ہوا اُس نے کیا۔ اس دوران کلمے اور دعاؤں کا معمول جاری رکھا، اپنے

اردگرد موجود افراد سے معافی مانگی، ہم دونوں بہنوں کو مخاطب ہو کر کہنے لگیں اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ عطاء المکرّم اور عطاء المنعم جو اُن کے پاس بیٹھے تھے اُنہیں پیار کیا اور پھر جمعہ کے بیان میں حجاج بن یوسف کا واقعہ جو سنا تھا اللہ تعالیٰ کو اس کا حوالہ دے کر معافی مانگنے لگیں کہ اے اللہ حجاج نے بھی تو آخر وقت یہی کہا تھا کہ ''اَنَا اَنَا وَ اَنْتَ اَنْتَ'' مالک تو حجاج کو بھی تو بخشے گا مجھے بھی بخش دے۔ ہمیں ان میں سے کوئی بھی بات معمول سے ہٹی ہوئی نہ لگی، پھر قدرے طبیعت سنبھل گئی اور تھوڑی دیر کے لیے نیند آ گئی، وفات سے تھوڑی دیر پہلے میں نے پوچھا امی اب کیا حال ہے تو کہنے لگیں بہتر ہوں پھر اچانک دوبارہ تکلیف زیادہ ہوئی اور اُنہوں نے سفرِ آخرت کی تیاری کر لی اور ہم سب انتہائی بے بسی اور عاجزی کی تصویر بنے اُنہیں دیکھتے رہے۔ اُمِّ مکرم و منعم اُن کے منہ میں زم زم ڈالتی رہیں اور اُن کی زبان اللہ اللہ کا ورد کرتے ہوئے ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی، اُن کی روح اُس بارگاہ میں پہنچ گئی جس کی رضا اور خوشنودی کو ہمیشہ مقدم رکھا اور جس سے وہ ہر حال میں راضی تھیں یقیناً وہ غفور رحیم بھی اُن سے راضی ہے۔

اُن کا کردار ایک روشن، بے مثال اور قابلِ تقلید ہے۔ اُن کی زندگی با مقصد اور دینی اصولوں کے تحت گزری، اُنہوں نے اخلاص وللّٰہیت جراءت ایمانی، حق گوئی وحق پرستی اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی کتاب سے محبت کا جو راستہ چھوڑا اور ہمیں دکھایا، بتایا اور سمجھایا ہے وہ بڑا ہی عزیمت کا راستہ ہے۔ میں اکثر سوچتی ہوں کہ باوجود کوشش کے ہمارا عزم و استقلال اُن جیسا کیوں نہیں؟ وہ کتنے اطمینان و اعتقاد، اعتماد و یقین کے ساتھ اس راستے پر چلیں اور چلتی گئیں اور یقیناً خلدِ بریں کی مکیں ٹھہریں۔ **ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء**

☆☆☆

میری نانی امّاں

بنت سید وقار الحسن

۱۳/اپریل ۲۰۱۲ء نانی اماں کا یومِ وفات ہے۔ ان کو ہم سے بچھڑے ہوئے پورا ایک سال ہونے کو ہے۔ سال بھر میں اُن کے حوالے سے کچھ لکھنے کی بھرپور کوشش کی لیکن ان کی عظیم المرتبت شخصیت کے سامنے اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا شدید احساس ہونے لگتا۔ پھر واقعہ یہ ہے کہ میں ذہنی طور پر اُن کی جدائی کے سانحۂ فاجعہ کو ابھی تک قبول نہیں کر پائی۔ میں یہ تصور نہیں کرنا چاہتی کہ میں اُن کا شفیق لمس اب کبھی محسوس نہیں کر پاؤں گی۔ بھلا میں یہ کیسے سوچ لوں کہ اُن کی سراپا مودت ذات کی ٹھنڈک اب کبھی میرے اندر نہیں اُترے گی؟ میں تو اب تک گھر میں داخل ہو کر سلام کے جواب کے انتظار میں اُن کے خالی بستر کو اُمید سے دیکھتی ہوں۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی کی تو بات ہے کہ نانی اماں نے خواب میں مجھ سے باتیں کیں۔ میں صبح کو اُن کی چارپائی کے سرہانے کھڑی ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ وہ میری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ہمیشہ کی طرح مجھے فوراً اپنے ساتھ چمٹا لیں گی لیکن......

اگست ۱۹۹۶ء میں والد صاحب نے ہم دونوں یعنی مجھے اور بھائی جان کو حصولِ تعلیم کے لیے خیر پور سے ملتان نانی اماں کے پاس بھیج دیا۔ نانی اماں کے گھر آ کر محبتوں اور قربتوں کے جس جہان سے میں روشناس ہوئی اس نے یوں اپنی گرفت میں لیا کہ قدم یہیں جم کر رہ گئے۔ اس طرح مجھے نانی اماں سے رشتہ داری کے علاوہ اُن کے ساتھ رہنے کا اعزاز بھی حاصل ہے اور یوں مسلسل اُن کی محبتیں سمیٹنے اور دعاؤں سے مستفیض ہونے کا عادی بن جانے کے بعد اُن کی جدائی کا صدمہ سہنا مزید کربناک ہے۔

دل کے تسلیم نہ کرنے کے باوجود حقائق کا بہرحال اپنا ایک جہان ہے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اُن کے چلے جانے سے کبھی نہ پُر ہونے والے دو خلا پیدا ہو گئے ہیں۔ ایک جذباتی اور دوسرا روحانی۔ جذباتی تو یوں کہ اُن کے بعد سب اُدھورا ہے۔ میرے لیے تو کامیابی کی تکمیل تبھی ہوتی تھی جب سب سے پہلے نانی اماں کو آ کر بتایا جائے کیونکہ ان کی بے پناہ حوصلہ افزائی، بے شمار دعائیں اور والہانہ پیار ہی سے خوشی کو اس کا حقیقی مفہوم ملتا تھا۔ اور روحانی خلا یوں کہ نانی اماں کے انتقال سے جو بابِ دعا بند ہوا ہے اس کی اشد ضرورت اور شدید کمی ہر کام میں، ہر وقت اور ہر جگہ محسوس ہوتی رہتی ہے۔ اُن کے مقدس وجود کی سب برکتیں اُن کے ساتھ چلی گئیں۔ اُن کی حیات میں روحانی طور پر حفاظت کا حصار اپنے گرد محسوس ہوتا تھا اس کی جگہ اب ایک مہیب سناٹا ہے۔ ان کے روشن باطن کے وہ سعد اثرات جو واضح طور پر ماحول کو منوّر کرتے تھے اب اُن کی چمک ماند پڑ گئی ہے۔

یوں تو جدوجہد انسانی زندگی کا لازمہ ہے۔ جب تک سانسوں کا تسلسل باقی ہے کسی نہ کسی مقصد کے حصول کے لیے کوشش بھی جاری رہتی ہے۔ لیکن جو چیز زندگی کو قیمتی، سودمند اور کامیاب بناتی ہے وہ ایسا مقصد ہے جو عنداللہ مقبول ہو اور جس کے لیے کی جانے والی کوشش کا ہر لحہ باعثِ اجر وثواب ہو۔ اور میری نانی اماں ہر لحہ، ہر آن اعلائے کلمۃ اللہ کے عظیم الشان مقصد کی تکمیل کے لیے پوری محویت سے کوشاں رہیں۔ میں یہ بات پوری ذمہ داری سے کہتی ہوں کہ وہ دین کے معاملے میں ''**لا یخافون لومۃ لائم**'' کا عملی نمونہ تھیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ جس قدر دلیری اور ایمانی قوت سے وہ سرانجام دیتی تھیں اس کی مثال کم از کم اس دورِ تنزل میں بہت ہی مشکل ہے۔ اس دورِ جدید میں رہتے ہوئے خوب وزِشت کے بدلتے ہوئے پیمانے اور ''روشن خیالوں'' کی خودساختہ مصلحتیں کبھی ان کو حق بات کہنے سے نہ روک سکیں۔ اس حوالے سے سنتوں کے احیا کا خوب اہتمام کرتیں۔ ہمارے گھر آنے والی خواتین میں سے اگر کوئی ملاقات کے بعد واپسی پر ''خدا حافظ'' کہہ دیتی تو اس کو واپس بلا کر سمجھاتیں کہ ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے اور ''خدا حافظ'' ہماری ذاتی اختراع ہے۔ ایک تو ''السلام علیکم'' کا دعائیہ مفہوم ''خدا حافظ'' کے مقابلے میں وسیع تر ہے دوسرے یہ سنت بھی ہے۔ اور یہ محض ایک دو دفعہ ہو جانے والا اتفاق نہیں ہے لگاتار پندرہ برس تک اُن کے اس معمول کی میں عینی شاہد ہوں۔ جب کبھی کسی نے ''السلام علیکم'' کی سنت کو ترک کیا، اُنھوں نے ہمیشہ اپنا فرض ادا کر دیا قطعِ نظر اس بات سے کہ مخاطب کا تعلق کس طبقے اور قبیلے سے ہے۔

ان کی ذات میں وسعتِ نظری اور دینی حمیّت کا مثالی اجتماع تھا۔ مثلاً ہمیں انگریزی تعلیم حاصل کرنے سے کبھی نہیں روکا مگر ساتھ ہی اس بات کو قلب وروح میں اتار دیا کہ انگریزی زبان سرمایۂ افتخار نہیں بلکہ محض وقت کی ضرورت ہے۔ میں نے انگریزی میں ایم۔اے کیا تو میری کامیابی پر مجھے بہت پیار کیا اور ڈھیروں دعائیں دیں۔ پھر حسبِ معمول فوراً مجھے کہا ''اب ماں سے میری بات کراؤ'' اور امّی جان کو خود میرا نتیجہ سنایا۔ البتہ ایک مسلمان کا انگریزی زبان وتہذیب سے مرعوب ہونا یا گفتگو میں انگریزی الفاظ کا بے ضرورت استعمال کرنا اُن کی دینی حمیّت کو کسی طور گوارا نہ ہوتا۔ وہ اس بات پر گہرے دکھ اور غم کا اظہار کرتیں کہ من حیث القوم ہماری ذہنی غلامی ہمیں اس نہج پر لے آئی ہے۔ آخر کو یہ اُن کا ورثہ بھی تو تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک مردِ حُر اور بطلِ جلیل حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی دختر ہونے کا اعزاز بخشا تھا۔ مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دن میری بہن (ماموں زاد) نے مدرسے سے آ کر کہا:

''امّی جی پیسے دے دیں۔ باجی (استانی) نے کہا ہے Paper money لے کر آؤ۔''

نانی اماں یہ سنتے ہی ایک دم برہم ہو کر کہنے لگیں کہ Paper money کہے بغیر کیا گزارہ نہیں ہوتا۔ پھر فوراً ایک پرچی لکھ کر بڑی خالہ جان (مدرسے کی صدر معلّمہ) کو بھجوائی۔ اس پر لکھا تھا:

''لعنت بر پدرِ فرنگ۔ کیا اب جامعہ بستانِ عائشہؓ کی طالبات ومعلمات بھی Paper money ہی بولا کریں گی؟ پرچوں کے پیسے کہنے سے بھی مفہوم تو ادا ہوسکتا ہے۔''

پھر وہ پرچی سب معلمات نے فرداً فرداً پڑھی اور بہت ممنون ہوئیں۔ نانی امّاں کی تبحّر علمی اور زبان دانی کا یہ عالم تھا کہ ان کی زندگی میں کبھی اردو یا فارسی کی لغت کھولنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ امیر شریعت رحمہ اللہ جیسے خطیبِ اعظم کی دختر ہونے کی حیثیت سے اردو اور فارسی پر اُن کا عبور تو شاید محلِ تعجب نہ ہو دل چسپ بات یہ ہے کہ انگریزی میں بھی کچھ کم مہارت نہ تھی۔ ایک دن مسکراتے ہوئے مجھے کہنے لگیں: ''بیٹا میں تمہارے سامنے انگریزی عبارت پڑھتی ہوں بھلا سنو تو یونہی ہے نا؟'' یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں انگریزی میں ایم۔اے کر رہی تھی۔ جب اُنہوں نے عبارت پڑھی تو بے ساختہ میں نے کہا:

''نانی امّاں جی! آپ کے سامنے تو میرا ایم۔اے بھی شرمندہ ہے۔''

حالانکہ انہوں نے باقاعدہ انگریزی تعلیم حاصل نہیں کی تھیں۔

میری نانی امّاں اپنی اولاد کو واقعی آنکھوں کی ٹھنڈک سمجھتی تھیں۔ ہم سب کو اکٹھا کر کے اُن کی خوشی دیدنی ہوتی۔ میری امّی جان اور چھوٹے ماموں (ذوالکفل بخاری علیہ الرحمۃ) سے دور ہونے کی وجہ سے بہت اداس ہوتیں۔ آخری چند سالوں میں امّی کو بہت اصرار سے کہتیں کہ جلدی جلدی ملنے آیا کرو۔ ماموں جان جب تک سعودیہ میں مقیم رہے اپنی ممتا سے مجبور ہو کر بہت بے قرار ہوتیں۔ بہت زیادہ یاد کرتیں لیکن جب ماموں جان کا انتقال ہوا تو نانی امّاں نے مثالی صبر اور حوصلے کا مظاہرہ کیا۔ فطری محبت تو ویسی ہی تھی لیکن اب ان کا تذکرہ کرنے کا انداز بالکل بدل گیا تھا۔ ان کو یاد کرتے ہوئے اس طرح بے چین نہیں ہوتی تھیں۔ ان کی بلند بختی پر شکر ادا کرتی تھیں۔ رضا بقضا اور رب کے فیصلے پر سرِ تسلیم خم کرنا اسی کو کہتے ہیں۔

موت کا ہمہ وقت استحضار اور تیاری کی فکر اُن کی زندگی کا ایک اور قابلِ تقلید پہلو ہے۔ موت کا استحضار ان کے تمام تفکرات و ہموم پر حاوی اور تمام ترجیحات پر غالب تھا۔ تیاری کا انداز زاہدانہ نہیں محبانہ تھا یعنی عبادت کی ادائیگی محض فرض سمجھ کر نہیں بلکہ پوری محبت اور اخلاص سے کرتیں۔ ویسے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اُن کے ماسوا سے زیادہ محبوب رکھنا ہر مسلمان کا جزوِ ایمان ہے لیکن ایمان کے درجے متفاوت ہوتے ہیں۔ رضا بر قضا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے خود رفتگی کی حد تک عقیدت و محبت اُن کے ایمان کی پختگی اور بلندی کے دو بڑے مظاہر تھے۔

وہ ''محمد بگوئید و مستی کنند'' کے معانی و مفاہیم سے بخوبی آگاہ تھیں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرتے ہوئے آبدیدہ ہو جاتیں۔ کوئی عمرہ یا حج پر جانے سے پہلے ملنے کے لیے آتا تو رندھی ہوئی آواز میں ہمیشہ یہی

مخصوص جملہ کہتیں:

''روضۂ اقدس پر حاضری ہو تو میرا سلام عرض کر دینا۔ کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ غلام کی بیٹی سلام عرض کرتی تھی۔''

ان کی زندگی کے آخری لمحات ویسے ہی لائق صد رشک تھے جیسے سب اہلِ دل کے ہوا کرتے ہیں۔ نزع کے عالم میں جب تک بولنے کی سکت باقی رہی اللہ کی وحدانیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی کا اقرار کرتی رہیں، پھر خود بخود رُخ قبلے کی طرف ہو گیا اور اللہ اللہ کہتے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو گئیں۔ نانی اماں نے ہر ہر قدم پر صلاح و فلاح کے لیے ہماری رہنمائی کی۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ جاتے جاتے بھی سمجھا گئیں کہ

دیکھو دنیا ہے دل ہے
اپنی اپنی منزل ہے

نانی اماں کی وفات سے تقریباً ایک ماہ قبل کا واقعہ ہے۔ میں مدرسے سے کوئی کتاب اُٹھانے کے لیے گھر آئی۔ کتاب لے کر واپس جانے کے لیے مڑی تو کہنے لگیں:

''ابھی آئی بھی اور جا بھی رہی ہو، میں نے بتایا کہ کتاب لینے آئی تھی تو اُنہوں نے محبت سے لبریز لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا، ایک میں تمہاری نانی اور ایک تم میری نواسی، تھوڑی دیر میرے پاس ہی بیٹھ جایا کرو، پھر خود ہی ہنس پڑیں اور کہنے لگیں اچھا بھئی جاؤ۔''

میرا دل چاہتا ہے میں کسی طرح اپنی اکلوتی نانی اماں کو بتاؤں کہ اُن کی اکلوتی نواسی ابھی تک ان کے چلے جانے کا یقین نہیں کرنا چاہتی۔ اُن کی اکلوتی نواسی کو اب کوئی یہ نہیں کہتا کہ ''تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھ جایا کرو۔'' عطاء المکرم ٹھیک ہی تو کہتا ہے کہ ''مجھے گزرتے ہوئے لگا کہ مجھے دادی اماں نے آواز دی ہے۔ میں نے مُڑ کر پیچھے دیکھا''...... وہ کہتا ہے ''امّی مجھے پتا ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ دادی اماں واپس آئیں لیکن میں نے سوچا شاید''......

میرا دل چاہتا ہے میں نانی اماں کو بتاؤں کہ میں اور ۸ سالہ عطاء المکرّم بالکل ایک ہی بات سوچتے ہیں۔

میرا دل چاہتا ہے کہ میں نانی اماں کو بتاؤں کہ میرے یہ شکستہ الفاظ اُن کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کی ایک حقیر سی کوشش ہیں ورنہ آنسو بھی بھلا کبھی الفاظ میں ڈھل سکتے ہیں؟

بنو ہاشم کی اکلوتی شہزادی

سیدہ امّ مزّ ملہ بتول

یُولِجُ الَّیۡلَ فِی النَّھَارِ وَ یُولِجُ النَّھَارَ فِی الَّیۡلِ کے قانونِ ربانی کے تحت میری عظیم ماں کو مجھ سے جدا ہوئے ایک برس گزر گیا۔ اور اس برس کی کون سی ساعت ایسی ہوگی جب اُن کی جدائی نے تڑپایا نہ ہوگا، ہر لمحہ ان کی شفقتوں سے محرومی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ میری حقیقی ماں نہ تھیں اس کے علاوہ میرا سب کچھ وہی تھیں، وہ میری مربّیہ، مصلحہ، محسنہ، معلّمہ اور نجانے میں کن کن رشتوں سے اُن کے قریب تھی۔ ابھی تو میں اس چشمہ علم و عرفان سے سیراب بھی نہ ہو پائی تھی کہ وہ مصائب و آلام کے اس لق و دق صحرا میں مجھے تشنہ لب چھوڑ کر مقامِ عدم میں جا بسیں۔

میں جب بھی پھوپھو جی کے بارے میں کچھ لکھنے کا ارادہ کرتی تو اپنی کم علمی و کم فہمی کا احساس دامن گیر ہوتا۔ میں ''نالائق'' اُن کی عظمت و رفعت کیسے بیان کر پاؤں گی۔ میری تو لفظوں سے شناسائی انہی کی مرہونِ منت تھی۔ میں نے تو قلم پکڑنا اُنہی سے سیکھا تھا، یہ کوئی مربوط تحریر یا باقاعدہ مضمون نہیں ہے بس یہ میرے اندر کی اداسیوں نے لفظوں کا روپ دھار لیا ہے۔

پھوپھو جی کو یاد کر کے لگتا ہے کہ قرونِ اولیٰ کی کوئی خاتون تھیں جو ہمارے درمیان رہ رہی تھیں۔ سفید ململ کا دوپٹہ اوڑھے، نورانی چہرے والی پھوپھو جی اپنے قول و فعل میں عام عورتوں سے ممتاز تھیں، کامل ایمان، تقویٰ اور توکل علی اللہ کا جو عملی مظاہرہ انہوں نے کیا اس کی مثال ناپید ہے۔ اپنے باپ کے گھر شہزادیوں والی زندگی گزارنے کے باوجود بقدرِ کفاف یہ کبھی شکوہ کناں نہ ہوئیں، ہر حال میں کمالِ استقامت کا مظاہرہ کیا اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ میں نے ان کو کبھی لغو اور لایعنی گفتگو کرتے نہیں دیکھا حتیٰ الوسع غیبت سے اجتناب کرتیں۔ دنیا کبھی بھی اُن کی ترجیح نہیں رہی، ہمیشہ یہ کہا کرتی تھیں کہ اللہ ہماری آئندہ نسلوں کو بھی ختمِ نبوّت اور دین کے لیے قبول کر لے۔ دین کے معاملے میں کسی رشتے اور برادری کے اصول پہ کوئی سمجھوتا نہ کرتیں، کسی تعلق یا رشتہ کے لحاظ میں خاموش نہ ہوتیں، حق بات کہنے میں کوئی جھجھک محسوس نہ کرتی تھیں۔ اُنہوں نے اپنی ساری زندگی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اللہ کی رضا کو بندوں کی رضا پہ مقدم رکھا اور ''لا یخافون لومۃ لائم'' یہ عمل کرتے ہوئے شرعی احکام پہ عمل پیرا رہیں۔

معمولی معمولی بات میں بھی سنت کا خوب اہتمام کرتی تھیں اکثر ملاقات کے لیے آنے والی خواتین واپسی پہ سلام کی بجائے ''اللہ حافظ'' اور ''خدا حافظ'' کہہ دیتیں تو فوراً اُنہیں پیار سے سنت اور رواج کا فرق سمجھاتیں کہ یہ یہود کی تہذیب ہم پہ مسلط کی گئی ہے۔ یہ انگریزوں کے ''گڈ بائے'' کی جگہ ''خدا حافظ'' ایجاد کیا گیا ہے، یہ دعائیہ کلمہ ضرور ہے مگر

اس کے کہنے سے ثواب نہیں ہے جبکہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنے میں ثواب ہے۔ فرماتیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمی یہ تعلیم دی ہے تو ہم فرنگیوں کے محتاج کیوں بنیں۔

اسی طرح کام کاج کرتے ہوئے یا کوئی چیز پکڑتے، پکڑاتے وقت دائیں ہاتھ کے استعمال کا خوب خیال رکھتی تھیں، اکثر بچوں کو کپڑے یا جوتا پہناتے ہوئے مجھ سے بھول ہو جاتی تو فوراً مشفقانہ لہجہ میں ٹوک دیتیں کہ بیٹی! آج تم اس چیز کا اہتمام کرو گی تو کل کو یہی سنت ان بچوں کی عادت بنے گی۔ حقیقت یہ ہے میں نے دین پڑھا تو کتابوں میں مگر دین سیکھا پھوپھو جی سے ہے۔ وہ ہم بہن بھائیوں کو اولاد سے بڑھ کر چاہتی تھیں کہ یہ میرے باپ کی نسل ہے۔

ہماری ہر خوشی کی ابتدا وانتہا کا مرکز ومحور پھوپھو جی کی ذات تھی۔ مجھے یاد ہے کہ نورانی قاعدہ اور پارہ عمّ ناظرہ تو میں نے پھوپھو جی سے ہی پڑھا تھا۔ جب بھی میرا کوئی پارہ ختم ہوتا تو اپنے پاس سے ٹافیوں کا پیکٹ منگوا کر دیتیں کہ جاؤ سب پڑھنے والی بچیوں میں تقسیم کر کے آؤ۔ حفظِ قرآن کریم کا موقع ہوتا یا حدیث شریف کی کوئی کتاب ختم ہوتی تو سب سے پہلے آ کر میں پھوپھو جی کو بتاتی تو والہانہ انداز میں گلے لگا کر خوب پیار کرتیں، آبدیدہ ہو جاتیں اور اس سعادت حاصل کر لینے پہ ڈھیروں مبارکباد اور دعاؤں سے نوازتیں اور فرماتیں کہ تمھارے دین پڑھنے سے میرے باپ کی روح خوش ہوتی ہو گی۔ ساتھ ہی کوئی سوٹ یا پیسے بطورِ انعام ضرور دیتیں اور سچ یہ ہے کہ مجھے اس ہدیے کا انتظار ہوتا تھا، یہ میرے لیے کائنات کی ہر چیز سے بڑھ کر ہوتا تھا۔

بچپن سے لے کر وفات تک میرے ساتھ تو اُن کی شفقتوں اور محبت کا انداز ہی نرالا تھا۔ مجھ سے اُنہیں خاص اُنس اور لگاؤ تھا۔ موسمی پھل ہوتا یا کوئی اور نعمت میرا حصہ نکال کہ الگ کر لیتیں اور مجھے بلوا کر خود دیتیں۔ جب بھی میں ان کا کوئی کام کرتی تو جواباً ''جزاکِ اللہ'' کہتے ہوئے بہت ممنونیت کا اظہار کرتیں اور اکثر یہ دعا دیا کرتی تھیں:

''اللہ راضی ہووے''

اب میں غور کرتی ہوں کہ چھوٹے سے کام پہ اتنی بڑی اور انمول دعا۔

اُن کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد اُن کی دعاؤں اور برکتوں سے محرومی کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ صبح سے شام تک ہر لمحہ، ہر موقع پر اُن کے جملوں اور باتوں کی بازگشت کانوں سے ٹکراتی ہے۔ دن میں کئی بار کام کرتے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اُنہوں نے مجھے آواز دی ہو میں چونک کر اُن کے بستر کی طرف دیکھتی ہوں تو نگاہیں مایوس اور خالی لوٹتی ہیں۔ دل ہے کہ اُن کے جانے کو مانتا ہی نہیں۔ جی چاہتا ہے کہ وہ لوٹ آئیں اور کہیں ''یہاں میرے پاس آ کر مجھے ملو۔''

پھوپھو جی! پورا سال ہو گیا ہے آپ نے مجھے آواز نہیں دی۔ مجھے کوئی کام نہیں کہا حالانکہ آپ تو عائشہ، کاشف، راشد (پڑھنے والے بچے) کی موجودگی میں بھی مجھ سے کام کرانے کو ترجیح دیتی تھیں مجھے پتہ تھا کہ آپ کے کام تو کوئی بھی کر دیتا تھا۔ مگر آپ کا جی چاہتا تھا کہ میں آپ کے پاس رہوں۔ آپ کہا کرتی تھیں کہ میری چُٹیا تم ہی باندھا کرو، میرے بال ذرا چھوٹے ہیں تو

تم ذرا کس کہ چُٹیا باندھتی ہو تو اچھی طرح سمٹ جاتے ہیں۔ پورا سال ہو گیا ہے آپ نے مجھ سے تیل ہی نہیں لگوایا۔

پھوپھو جی! آپ کے عطاء المکرم، عطاء المنعم بھی آپ کے لیے بہت اداس ہیں۔ عطاء المکرم کہتا ہے کہ امّی:

''برآمدے سے گزرتے ہوئے اکثر لگتا ہے کہ دادی امّاں ابھی بھی اپنی چارپائی پہ بیٹھی ہیں۔''

کچھ دن پہلے کی ہی بات ہے رات کو کہنے لگا امّی آج مغرب کے وقت میں گیلری سے گزر رہا تھا کہ مجھے لگا کہ دادی امّاں نے مجھے آواز دی ہے۔ میں حیران ہوا کہ وہ تو اللہ میاں کے پاس ہیں، پھر میں نے کہا ایک بار دیکھوں تو سہی شاید وہ واپس آ گئی ہوں لیکن وہ نہیں تھیں۔

پھوپھو جی! جب میں سعودیہ جاتی تو آپ میری امّی سے زیادہ میرے لیے اداس ہوتی تھیں۔ حتیٰ کہ میں ڈاکٹر صاحب کے پاس بھی جاتی تو آپ متفکر ہو کر بڑی آپا کو کہہ کر فون کرواتیں اور پوچھتی تھیں کہ کتنی دیر تک گھر آنا ہے؟

پھوپھو جی! میں اس قابل کہاں تھی؟ یہ محض آپ کی شفقت اور عنایت ہی تھی کہ زندگی کے آخری لمحات میں بھی آپ نے مجھے اپنی خدمت کا موقع دیا۔ مجھے ان سعادتوں کا حق دار بنایا۔ پھوپھو جی! میں تو اللہ کے بعد آپ کی دعاؤں اور برکتوں کے سہارے جی رہی تھی۔ آپ کے ایمان اور صبر کو دیکھ کے تو مجھ میں جینے کا حوصلہ ہوا تھا۔ آپ نے تو مجھے دنیا والوں کی باتوں سے بچا کے اپنی بانہوں میں چھپایا ہوا تھا۔ آپ نے تو میرے سارے دُکھ، درد چُن لیے تھے۔ آپ نے اتنی جلدی سفرِ آخرت کی تیاری کر لی مجھے تو سنبھلنے اور کچھ سمجھنے کا موقع ہی نہ دیا، میں تو اس اُمید پہ پانی کا ہر چمچ آپ کے منہ میں ڈالتی کہ ابھی چند لمحوں میں آپ ٹھیک ہو جائیں گی۔ میں تو آپ کے کلمہ و استغفار اور دعائیں پڑھنے کو روز کا معمول سمجھی تھی، مجھے تو اپنی کوتاہیوں پہ آپ سے معافی مانگنے کا موقع بھی نہ ملا۔ میں تو سمجھی کہ آج آپ نے صبح سے عطاء المکرم، عطاء المنعم کو پیار نہیں کیا اس لیے اس وقت پیار کر رہی ہیں۔ کیا خبر تھی کہ یہ آپ کا اُن کو آخری پیار تھا۔ آپ کے وجود سے تو اُن کو باپ کی خوشبو ملتی تھی، آپ کے جانے سے آپ کے باغ کی یہ ننھی کونپلیں مُرجھا سی گئی ہیں۔ آپ کے یہ ختمِ نبوّت کے مجاہد مجھ سے موت و حیات کے فلسفے سمجھنے میں لگے رہتے ہیں۔

پھوپھو جی! مجھے یقین ہے کہ آپ تو جنّت کے باغوں میں امّاں عائشہؓ اور سیدۃ نساء اہل الجنّۃ کے ہمراہ تختوں پر آرام فرما ہوں گی۔ آپ کے ننھیال بھی آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے ہوں گے۔ کمی اور محرومی تو میرا مقدر ٹھہری۔

پھوپھو جی ہمیشہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کسی زائر کے ہاتھ سلام بھیجتیں تو یوں فرماتیں:

''جا کے عرض کرنا آپ کے غلام کی بیٹی آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتی ہے۔''

تو آج آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی غلام زادی خود آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہو گئیں تھیں۔ آج بنو ہاشم کی اکلوتی شہزادی رخصت ہو گئی تھی۔

پھوپھو جی! اللہ آپ سے راضی ہو اور آپ کی مرقد پر اللہ کی ہزاروں رحمتیں ہوں۔

بنت امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہا......ایمان افروز یادیں

بنت بستان عائشہ

میری سعادتوں کا یقین کر
میرے ماضی کا حال جان لے
مہک اُٹھتی ہیں یادیں میری
تو ذرا نام ''گلستان'' لے

جب بھی محسنانِ اُمّت کا ذکر ہوتا ہے تو بے اختیار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی فرنگی سامراج اور اس کے کاشت کردہ فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی اور تاجِ ختمِ نبوّت کی حفاظت کا عظیم کام تاریخِ اسلام میں جگمگاتا نظر آتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ کسی بھی بڑے کام کو سرانجام دینے میں اگر انسان کو اپنوں کا ساتھ میسر آ جائے تو اگر جبلِ عظیم کو بھی تراشنا شروع کر دیا جائے تو وہ بھی اس ''رحمتِ خداوندی'' کی بدولت مانند موم ہو جاتا ہے۔ ایسی ہی صورتِ حال امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو پیش آئی۔ اس بات کی تصدیق امیر شریعت رحمہ اللہ نے ۱۹۵۶ء میں راولپنڈی کے ایک جلسۂ عام میں کی کہ:

''میری بیٹی...... جو ظاہری اسباب میں میری حیات کا باعث ہے، اللہ بیٹوں کو بھی سلامت رکھے مگر بیٹی سے مجھے بہت محبت ہے۔ اس نے کئی بار مجھ سے کہا کہ اباجی! اب تو اپنے حال پر رحم کریں۔ آپ کو چین کیوں نہیں آتا؟ کیا آپ سفر کے قابل ہیں، چلنے پھرنے کی طاقت آپ میں نہیں رہی۔ کھانا، پینا آپ کا نہیں رہا، یہ آپ کا حال ہے، کیا کر رہے ہیں آپ؟ میں نے کہا تم نے میری دکھتی رگ پکڑی ہے۔ میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں؟ بیٹا تم بہت خوش ہو گی؟ اگر میں چارپائی پر مروں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ کسی کے گلے پڑ کر مروں، تم اس بات پر راضی نہیں کہ میں باہر نکلوں میدان میں اور یہ کہتا ہوا مر جاؤں ''**لا نبیّ بعد محمد لا رسول بعد محمد لا اُمّة بعد اُمّة محمد**'' عقیدۂ ختمِ نبوّت بیان کرتے ہوئے اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے موت آ جائے۔ **لا الٰہ الاّ اللّٰہ محمد رَّسول اللّٰہ لا نبیّ بعدہ و لا رسول بعدہ**''

حضرت امیر شریعت نے اپنی حیاتِ مستعار تحفظ ختمِ نبوّت میں لگا کر اسے حیاتِ ابدی میں بدل دیا۔ وہ استقامت و خودداری اور ایثار و قربانی کی مجسم تصویر تھے۔ یہی خوبیاں اُن کی تمام اولاد میں نظر آتی ہیں۔ حضرت امیر شریعت

رحمہ اللہ نے واقعی اپنے قول کے مطابق اپنی اولاد کی تربیت کی کہ دین کے راستے میں پہنچنے والی ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں اور پھر ''بی بی جان'' کو اپنے عظیم باپؒ کے زیرِ سایہ گھر میں جو دینی، روحانی اور علمی ماحول ملا، اس نے سونے کو کندن بنا دیا۔

اسی بنا پر ''بی بی جان'' کی نظر ہر لمحہ مسنون طریقہ زندگی گزارنے اور کافروں کی مخالفت کرنے پر رہتی تھی۔ وفات سے دو روز قبل بروز بدھ جامعہ بستانِ عائشہ کی کچھ معلمات ''بی بی جان'' کی زیارت اور نصائح سے فیض یاب ہونے کے لیے حاضر ہوئیں تو اُن کو بھی یہی نصیحت فرمائی کہ بیٹا! جب دین حاصل کر لیا اب نہ اس کے ذریعے دنیا کمانا اور نہ اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ اپنانا۔ دورانِ گفتگو یہود و نصاریٰ کی دوستی کی آڑ میں اسلام دشمنی اور اسلام کی رگ کاٹنے کے لیے نت نئے طریقوں پر فرمانے لگیں کہ ان کو نقصان ان کی اشیاء سے بائیکاٹ کر کے پہنچانا چاہیے۔ اہل اللہ کی نظر تو ہر لمحے اسی بات پر رہتی ہے کہ کوئی طریقہ یا کام ایسا نہ ہو جو نبی سے اور اس کے طریقے سے دور اور کفار کو خوش کرنے والا ہو۔

بی بی جان اعلیٰ پائے کی شاعرہ اور ادیبہ تھیں۔ قدرت نے ان کے قلم کو جو بانکپن دیا تھا اس جیسی زیبائی اور سجاوٹ ہر کہ و مہ کے بس کی بات نہیں۔ وہ ان صاحبِ طرز ادیبوں میں سے تھیں جن کی عظمت لیل و نہار کی کوئی گردش محو نہیں کر سکتی۔

حیاتِ امیر شریعت پر اُن کی معرکۃ الآراء کتاب ''سیّدی و اَبی'' اُن کی وسعت علم اور استحضار کا لازوال شاہکار ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قومی، سیاسی تاریخ، تحریکاتِ ملّی، خصوصاً حیاتِ امیر شریعت اور تاریخِ احرار کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف اور ان کا مستند ماخذ تھیں۔

بی بی جان نے بالکل صحیح فرمایا تھا:

دیدہ وروں نے جھانک کر دیکھا نہیں کبھی ادھر
درد و خلوص و مہر کی چھوٹی سی کائنات ہوں

اس عظیم ہستی کے بارے میں ہمیشہ یہ آرزو رہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ ایسے ''انعامِ باری تعالیٰ'' سے فائدہ اٹھایا جائے۔

پھر کہاں دنیا میں ایسی ہستیاں

بی بی جان نے جو چشمۂ علم و حکمت (جامعہ بستانِ عائشہ) جاری کیا وہ اُن کے رفع درجات کا سبب رہے گا اور دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی اُن کے نام و کام کی صورت میں زندہ رہے گا۔ ان کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ تو کبھی پر نہ ہوگا لیکن ان کی پاکیزہ نورانی صورت اور ایمان افروز یادیں ہمیشہ دل میں رہیں گی اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کی قبر پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

''سیّدی وابی''.....داستانِ حیاتِ امیرِ شریعتؒ

ڈاکٹر بصیرہ عنبرین

''سیّدی وابی'' امیرِ شریعت، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے سوانح و افکار پر مبنی کتاب ہے جو ان کی بیٹی سیدہ اُمِّ کفیل بخاری صاحبہ نے تحریر کی۔ یہ کتاب ایک بیٹی کی زبانی اپنے والد کے سوانحی اشارات کا ایک ایسا خاکہ پیش کرتی ہے جو نہایت جان دار ہے۔ یہاں ہمیں اس معروف مذہبی شخصیت کے ذاتی احوال پر مشتمل ایسے کوائف ملتے ہیں جن کی صداقت میں شائبہ کرنا مشکل ہے۔ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا حافظہ بے مثل تھا، قدرت نے یہی وصف ان کی دختر کو بھی عطا فرمایا ہے چنانچہ اپنے والدِ محترم کا سوانحی خاکہ قلم بند کرتے ہوئے ایسی ایسی جزئیات صفحۂ قرطاس پر اُتر آئی ہیں کہ پڑھنے والا متحیّر رہ جاتا ہے۔ مزید یہ کہ تخلیقی استعداد نے ان کی نثر میں ادبی شان پیدا کر دی ہے۔ زیرِ مطالعہ کتاب میں جا بجا ایسی مثالیں نظر آتی ہیں جن میں خاکہ نگاری کا سارا رنگ و آہنگ موجود ہے۔ ایسی جزئیات نگاری، کرداری زوایے اور حقائق آفرینی بڑے بڑے ادبا کے ہاں دیکھنے کو ملتی ہے۔ غالباً یہ جذبے کی صداقت ہے جس کی وساطت سے تحریر زندہ محسوس ہوتی ہے۔ بالخصوص جب وہ اپنے والدِ گرامی کی دس سالہ اسارت اور اس کے ان کی نجی زندگی پر اثرات کے قصے سناتی ہیں تو ہر ورق پر باپ کی شفقت و عاطفت اور بیٹی کی انسیت و محبت کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کے مطالعے کے بعد علاّمہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا اپنی بیٹی کے متعلق کہا گیا یہ جملہ مبنی پر صداقت لگتا ہے، جس میں کہتے ہیں کہ:

''میری بیٹی.....میرے ظاہری اسباب میں سے، میری حیات کا باعث ہے''

واقعۃً سیّدہ مرحومہ اپنے والدِ گرامی پر کامل سوانحی تصنیف پیش کر کے ان کی حیاتِ سعید کو محفوظ کرنے کا باعث بنی ہیں۔

پیشِ نظر کتاب جذبہ و احساس اور تحقیق و ترتیب کا ایک عمدہ امتزاج ہے۔ یہاں ایک بیٹی کے جذبات و احساسات کے غماز بے شمار دل چسپ واقعات مرقوم ہیں مگر ان کی پیش کش کا اہتمام تحقیقی و ترتیبی حُسن رکھتا ہے۔ اس کتاب کے تحقیقی مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ امیرِ شریعتؒ یکم ربیع الاوّل ۱۳۱۰ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۸۹۲ء کو بروز جمعۃ المبارک بوقتِ سحر پیدا ہوئے اور انتقال ۹ ربیع الاوّل ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء بعد العصر، بروز پیر ہوا۔ آپ ''رہِ عشق کے مسافر'' تھے اور تحفظِ ختمِ نبوّت کے سلسلے میں آپ کی خدمات سے انکار نہیں۔ ان کا مؤقف ہمیشہ یہی رہا کہ:

''مخلوق میں جب تک خالق کا نظام نہیں چلایا جائے گا، دنیا میں امن نہ ہوگا۔''

چنانچہ وہ دنیاوی آقاؤں سے متنفّر تھے، خصوصاً انگریز کی حاکمیت کے سراسر خلاف تھے۔ زیرِ نظر کتاب سے بخاریؒ صاحب مرحوم کی گفت گو سے ایک شذرہ دیکھیے:

''میں کوئی دستوری نہیں ہوں، سپاہی ہوں۔ تمام عمر انگریزوں سے لڑتا رہا ہوں اور لڑتا رہوں گا۔ اگر اس مہم میں سور بھی میری مدد کریں تو میں ان کا منہ چوم لوں گا۔ میں تو اُن چیونٹیوں کو شکر کھلانے کے لیے بھی تیار ہوں جو ''صاحب بہادر'' کو کاٹ کھائیں۔ خدا کی قسم! میرا ایک ہی دشمن ہے..... انگریز، اس ظالم نے نہ صرف مسلمان ملکوں کی اینٹ سے اینٹ بجائی، ہمیں غلام رکھا اور مقبوضات پیدا کیا۔ بلکہ خیرہ چشمی کی حد ہوگئی کہ قرآنِ حکیم میں تحریف کے لیے مسلمانوں میں جعلی نبی (مرزا قادیانی) پیدا کیا، پھر اس ''خود کاشتہ'' پودے کی آبیاری کی اور اب اس کو چہیتے بچے کی طرح پال رہا ہے..... تم فرنگی کو نہیں جانتے۔ اس نے روحیں قتل کر دی ہیں، روحیں..... اسلام اُٹھ گیا، مسلمان رہ گئے!''

یہ وہ نظری رویہ ہے جو علاّمہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے حوالے سے سیّدہ محترمہ نے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور کمال یہ ہے کہ اس نظریاتی و علمی شخصیت کے حوالے سے معلومات کا استخراج ان کے ذاتی وقائع سے ہوا ہے۔ شخصی کوائف کی پیش کش میں مکمل تحقیقی اپروچ ملتی ہے، مثلاً اُن کا مختصر (مگر بلیغ) سوانحی خاکہ، جو بہت سائنٹیفک انداز میں مرتب ہوا ہے، اور پہلی بار مکمل صورت میں شامل کتاب ہوا ہے، اس حوالے سے قابلِ داد ہے۔ پھر اُن کا ایک تفصیلی شجرہ نسب بڑے قرینے سے اس خاندان کا تعارف کراتا ہے۔ جا بجا ماخذاتِ تحریر کی نشان دہی کی گئی ہے اور موجودہ صورت میں ڈھلنے تک یہ کتاب کن متفرق اشکال میں سامنے آتی رہی، اس جانب بھی بڑے قرینے سے توجہ دلائی گئی ہے۔ حصہ اوّل میں شخصی و سوانحی افکار متفرق عناوین کے تحت تحریر کیے گئے ہیں جب کہ حصہ دوم علاّمہؒ کے ۲۳ مکاتیب پر مبنی ہے جن کے حواشی بھی سیّدہ اُمِّ کفیل کے تحریر کردہ ہیں۔ یہ حاشیے محض تعارفی سطور نہیں بلکہ محنت و دقت سے مرتب کی گئی معلومات ہیں۔ یوں جذبہ و احساس اور تحقیق و ترتیب نے پیش نظر تصنیف میں ڈھل کر ایک پرکشش صورت اختیار کر لی ہے۔

''سیّدی وابی'' کے حصہ اوّل میں بہ ظاہر ایک بیٹی کے جذبات و احساسات پر مبنی وقائع پیش ہوئے ہیں لیکن بہ باطن امیرِ شریعتؒ کی سوانح کے دل چسپ پہلو سامنے آتے ہیں۔ مصنفہ کا انداز زیادہ تر واقعاتی ہے۔ اس حد تک کہ اکثر مقامات پر کہانی پن کا احساس ہوتا ہے۔ زبان بہت شُستہ و شائستہ اور رواں دواں ہے۔ واقعے کی بُنت کرتے ہوئے جب وہ مکالماتی رنگ اپناتی ہیں، تو قصے میں مزید روانی پیدا ہو جاتی ہے۔ جزئیات کی کثرت ہے اور فارسی و عربی آہنگ کی حامل زبان نے ایسے مواقع پر بڑی دل کشی کا سامان کیا ہے۔ اگرچہ آغازِ کتاب میں مصنفہ نے تحریر فرمایا کہ:

''محبت صرفی نحوی قواعد اور تعبیر و انشا کی ترکیب و ترتیب سے آزاد ہوتی ہے۔'' اور یہ کہ وہ ''ٹوٹے پھوٹے الفاظ'' میں دلی جذبات کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کر رہی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلوبی حوالے سے ایسا نہیں ہے۔ یہاں ہمیں خالص اردو پڑھنے کو ملتی ہے۔ اکثر مقامات پر اسلوب تحریر شاعرانہ ہو گیا ہے۔ اردو، فارسی اور پنجابی کے اشعار و مصاریع بہ کثرت

پیوندِ نثر ہوئے ہیں۔ متعدد مواقع ایسے ہیں جہاں اُن کی نثر شگفتگی کے عنصر سے آمیز ہو کر بہت لطف دیتی ہے۔ خصوصاً پنجابی زبان یا کسی مقامی زبان کے ٹکڑے جب ظریفانہ آہنگ کی تعمیر کرتے ہیں، تو پڑھنے والا حظ اٹھاتا ہے۔ صورتِ واقعہ کی پیش کش میں سیّدہ اُمِّ کفیل نے بڑی مہارت دکھائی ہے۔ ان کے واقعاتی سحر کاری میں منظر آفرینی کا خاص کردار ہے۔

اپنے والد مرحوم نشست و برخاست، خورد و نوش، گفت و شنید اور دیگر معمولاتِ زیست کو وہ بہ نظرِ غائر حاشیۂ خیال میں لائی ہیں اور بڑی جاذبیت کے ساتھ اپنی نثر کا حصہ بنا دیتی ہیں۔ حافظے کی پختگی کے باعث متعدد مقامات پر والد کے اقوال برمحل منقول ہیں جس سے تحریر مستند ہو جاتی ہے۔ یہاں بچپن کے سیکڑوں واقعات، بہن بھائیوں کے ننھے منّے، قصّے والدین کی شفقت و محبت کی داستان پرکشش رنگ میں تحریر ہوئی ہے، مثلاً یہاں والد کی یاد، بیٹی کی نظر میں ملاحظہ کیجیے:

''ایک دفعہ وہ بہت دنوں کے لیے دورہ پر گئے ہوئے تھے۔ میرا دل بہت اداس تھا۔ وہ بہت ٹھنڈا پانی پیتے تھے۔ میں نے وہی برتن اٹھایا اور اس سے ابا جی کی طرح ہی منہ لگا کر پانی پیا۔ جب ابا جی واپس آئے اور حسبِ معمول کھانا کھاتے وقت مجھے ساتھ بٹھا لیا تو میں نے کہا ابا جی میرا دل آپ کے لیے بہت اداس تھا تو میں نے اس برتن سے ویسے ہی منہ لگا کر پانی پیا تھا جیسے آپ پیتے ہیں۔ ''ابا جی! ایہہ وی تے اک طرح دی یاد ای ہے نا؟'' (یہ بھی تو ایک طرح کی یاد ہی ہے نا؟)

یہ بات ان کے دل کو لگی اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔''

جیسا کہ ذکر ہوا کہ اس تصنیف کا ادبی پہلو بہت جان دار ہے۔ چناں چہ یہاں نثر کی ادبی خوبیوں کی فراوانی تو ہے ہی خالصتاً ادبی اشارات بہ کثرت ہیں۔ مثلاً اشعار و تراکیب کی کثرت ہے اور یہ شعرا اپنے بھی ہیں اور دوسروں کے بھی۔ متعدد معروف ادبا و شعرا کا تذکرہ ہے اور اس سلسلے میں کسی خاص مکتبۂ فکر کی قید نہیں ہے۔ ایسے ایسے ادبی واقعات سامنے آئے ہیں جو شاید اس طور پر کسی ادبی سوانحی کتاب کا حصہ نہ بنے ہوں۔ وہ بتاتی ہیں کہ والدِ گرامی اقبالؒ کے ارادت مند تھے اور ''لاہور میں ہوتے تو اقبال کی مجالس میں شریک ہوتے۔ اقبالؒ باوضو ہو کر بیٹھ جاتے اور ابا جی سے فرمائش کر کے قرآن کریم سنتے۔ خاص طور پر سورۃ مزمّل۔ پھر ان کی فرمائش پر اپنا کلام سناتے۔ ابا جی بتایا کرتے کہ قرآن کریم سنتے وقت اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر اقبالؒ کی آنکھیں نم ہو جاتیں۔'' اسی طرح علامہؒ نے جب نظم ''موت'' لکھی تو کہا: ''پیر! ویکھ میں تیری موت لکھی اے'' (مرشد! دیکھو میں نے تمہاری موت لکھی ہے) اقبالؒ کے علاوہ بھی بہت سے ادبا و شعرا سے ان کے تعلق کا سراغ ملتا ہے، مثلاً عبدالحمید عدم، جگر مرادآبادی، جوش ملیح آبادی، شورش کاشمیری، مولانا ظفر علی خان، ایم۔ ڈی تاثیر، ساغر نظامی، حفیظ جالندھری، شکیل بدایونی وغیرہ کے تذکارِ لطیف قلم بند ہوئے ہیں۔ پھر ایسی ادبی شخصیات جن کی زندگی کا سیاسی پہلو نمایاں رہا، ان سے مولاناؒ کے تعلق کی نشان دہی بھی وہ کرتی ہیں، جیسے چودھری افضل حق اور مولانا ابوالکلام آزاد..... یوں شخصی زاویوں پر مبنی اس حصے میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی شخصیت کے خدوخال نمایاں کیے گئے ہیں اور ایک عظیم باپ کے ساتھ ساتھ وہ جس طرح ایک مکرم رہ نما کے طور پر جانے جاتے تھے، اس مرتبے کے پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ وہ اپنے والد کو ایک مونس و غم خوار کے طور پر یاد کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں کہیں کہیں

جذبات شعر کے قالب میں میں ڈھل جاتے ہیں، مثلاً چند ابیات:

جنوں میں فصلِ بہاری ستم ہی ڈھاتی ہے
عظیم باپ تری یاد خوں رلاتی ہے
تری عطوفت و رأفت کی یاد یوں کہیے
شعاعِ نور کہ سینے میں جھلملاتی ہے
تفکرات و حوادث نے کر دیا محزوں
تری حیات ہے قندیل، رہ دکھاتی ہے
ترے کمال خطابت کا تذکرہ جب ہو
عدو بھی کہتے ہیں، تاریخ جگمگاتی ہے

کتاب کے دوسرے حصے میں امیرِ شریعتؒ کے مکاتیب مع حواشی پیش ہیں۔ جنھیں ان کے عکس تحریر سے بھی آراستہ کیا گیا ہے۔ یہ خطوط سیاسی حوادث کا سراغ دینے کے ساتھ ساتھ ان کے والدگرامی کے شخصی و قلبی واردات سے آگاہ کراتے ہیں۔ خصوصاً زمانۂ اسارت کی داستان اور اعزّہ و اقربا سے قلمی ملاقاتوں کا احوال پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں دینی مسائل پر گفت گوئیں بھی ہیں، تعبیراتِ خواب اور وظائف و اوراد کی تفصیلات بھی۔ ان کے معمولات کی تفاصیل میں اور سیاسی حوالے سے اشارات بھی ملتے ہیں۔ متعدد مقامات پر قرآن اور دعا سے استمداد کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ اپنی پیاری بٹیا جی، کے نام ۲۱ مکاتیب ہیں جب کہ ایک منہ بولی بیٹی اور ایک سمدھی کے نام ہے۔ مکاتیب کے اواخر میں آخری خطِ تحریر کا عکس بھی ہے اور انتقال سے چند روز قبل کا احوال بھی..... ان مکاتیب میں متذکرہ اشارات پر جو عنصر سب سے حاوی ہے وہ بہر حال محبت و شیفتگی، سے عبارت ہے، انداز اکثر مقامات پر ایسا ہو جاتا ہے:

''بانو کو گود میں لے کر میرے منہ سے پیار کرو اور کہو یہ نانا ابّا کا پیار ہے اور تم خود اس سے پیار لو اور کہلواؤ کہ یہ ابّا جی کا پیار ہے۔''

یوں افکار و مکاتیب پر مبنی یہ کتاب ''سیّدی وابی'' اس سلسلے کی کتب میں عمدہ اضافہ ہے۔ تازگیِ بیان، اسلوب کی ندرت، حواشی کے اندراج، بے مثل حافظے اور شعریت کے اظہار اور جزئیات نگاری کے سلیقے نے اسے امتیاز عطا کیا ہے۔ بالخصوص اس سوانحی کتاب کو دو حصوں میں منقسم کرنے سے نئے پن کا احساس ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ پہلا حصہ بیٹی کی زبانی ہے اور دوسرا والد کی زبانی بیان ہو رہا ہے..... یوں محبت و ارادت کا دائرہ مکمل ہو جاتا ہے اور سیّدہ اُمِّ کفیل مرحومہ نے قرضِ محبت ادا کر دیا ہے۔

☆☆☆

قسط:۲۳

ورق ورق زندگی

پروفیسر خالد شبیر احمد

لائل پور کاٹن ملز کے مشاعرے:

برصغیر پاک و ہند کی تعلیمی زندگی میں سب سے اہم مرحلہ کالج کی زندگی ہے۔تقریریں، مباحثے، میچ وغیرہ سب مل کر اس زندگی کو دلچسپ بنا دیتے ہیں۔کالج لائف میں ہم نے مستقبل کے بارے میں بہت سے خواب دیکھے تھے۔ان خوابوں کی مثالی دنیا تک ہمارے رہنمائی اسی کالج کی زندگی نے کی تھی۔ہم نے ساری زندگی جن اصولوں اور آدرشوں کے تحت بسر کی ہماری طبیعت میں اسی زمانے میں راسخ ہوئے تھے۔لائل پور کے کاٹن ملز میں ہونے والے مشاعرے بھی میری زندگی کے اس سہانے دور کا حصہ ہیں۔

لائل پور کاٹن ملز ایک ہندو لالہ مرلی دھر شاد کی ملکیت تھی وہ خود بھی اچھا شاعر تھا، ہر سال دو مشاعرے کراتا تھا۔ ایک مشاعرہ تو کاٹن ملز کی گراؤنڈ میں ہوتا جس میں عوامی طور پر شرکت کی اجازت ہوتی۔اور اس کے بعد دوسرے روز وہ دوسرا مشاعرہ بھی کراتا جس میں عام لوگوں کا داخلہ ممنوع ہوتا تھا۔میں دونوں مشاعروں میں شرکت کرتا تھا۔پہلی قسم میں تو مجھے کوئی دقت نہ ہوتی لیکن دوسرے مشاعرے میں شرکت کے لیے کسی قدر تگ و دو کرنا پڑتی لیکن میں اس تگ و دو میں ہر سال کامیاب ہو جاتا تھا۔

اس مشاعرے میں پاکستان کے علاوہ بھارت کے بھی شاعر حضرات شامل ہوتے تھے۔ہندوستان سے اس وقت اردو کا سب سے بڑا شاعر فراق گورکھپوری اس مشاعرے میں شرکت کرتا اس کے علاوہ جگن ناتھ آزاد کا نام بھی مجھے یاد ہے اور پھر علامہ انور صابری بھی تشریف لے آتے اُن سے ملتا اور دہلی میں ان کی زیارت کی یادیں تازہ کرتا۔پاکستان کے جن شاعروں کے نام مجھے یاد رہ گئے ہیں اُن میں جگر مراد آبادی سب سے بڑا نام ہے۔جن کے علاوہ احسان دانش، احمد ندیم قاسمی، قتیل شفائی اور ایک نام ساحر صدیقی کا ہے۔زہرہ نگاہ کی اُس دور میں بڑی شہرت تھی وہ ترنم سے پڑھتی اور محفل پر چھا جاتی تھیں۔ہمارے استاد محترم شور علیگ بھی شرکت کرتے، ایک دفعہ وہ روٹھ کر بن پڑھے ہی واپس چلے آئے تھے۔ شور صاحب کا نام بلایا گیا انہوں نے سٹیج پر پہنچنے میں تاخیر کی۔نقیب انتہائی تیز طرار تھے، کافی بولتے تھے اُنہوں نے کہیں لوگوں سے کہہ دیا کہ جب تک آپ لوگ شور نہیں مچائیں گے شور صاحب سٹیج پر کلام سنانے نہیں آئیں گے۔بس پھر کیا تھا۔ شور علیگ صاحب ناراض ہو کر گھر چلے آئے۔دوسرے دن میں نے ان سے کلاس کے بعد پوچھا تو غصے میں کہنے لگے:

''وہ مرلی دھر شاد سیٹھ ہو گا تو اپنے گھر ہو گا میں کچھ اس سے مانگنے جاتا ہوں۔''

اب میں شور صاحب سے یہ نہ کہہ سکا معاملہ تو نقیب کا تھا غصہ آپ سیٹھ پر نکال رہے ہیں، بہرحال ایسے مشاعرے دوبارہ زندگی بھر نہیں دیکھے۔

ساحر صدیقی جھنگ سے تعلق رکھتے تھے، درزی تھے۔ لباس کو دیکھ کر آدمی یہی سمجھتا تھا کہ کوئی مانگنے والا فقیر ہے۔ لیکن اُن کی شاعری مشاعرے میں وہ رنگ جماتی کہ سامعین کسی غیر مرئی بندھن میں جکڑے جاتے یوں محسوس ہوتا کہ کسی نے کوئی افسوں پھونک دیا ہو۔ اُن سے بڑے شاعروں کو وہ داد نہ ملتی جو داد اُن کے حصے میں آتی۔ ترنم میں ڈوب کر پڑھتے اور سماں باندھ دیتے۔ اُن کی غزلوں کے چند اشعار مجھے آج تک یاد ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

عقل جب ہوش سنبھالے تو بنے جذبہ عشق
عشق جب رنگ پہ آتا ہے جنوں ہوتا ہے
لاکھ سمجھاؤ مگر جاتا ہے اُسی سمت خیال
کتنا کافر تیری یادوں کا فسوں ہوتا ہے

اور ساحر نے اپنی ایک غزل کا یہ شعر جب پڑھا تو مجھے یاد ہے کہ حاضرین کا سارا مجمع وجد کی کیفیت میں آ گیا تھا شعر تھا:

اجازت ہو تو آنکھوں میں چھپا لوں
زمانے کی نظر اچھی نہیں ہے

قتیل شفائی کی غزل کے اشعار کچھ ایسے تھے:

خود نمائی تو نہیں شیوۂ اربابِ وفا
جن کو جلنا ہو وہ آرام سے جل جاتے ہیں
جب بھی آتا ہے میرا نام تیرے نام کے ساتھ
جانے کیوں لوگ میرے نام سے جل جاتے ہیں

احمد ندیم قاسمی کے چند اشعار جو محفوظ رہ گئے ہیں:

کس توقع پہ کسی کو دیکھیں
کوئی تم سے بھی حسیں کیا ہو گا
جس کے فنکار کے شہکار ہو تم
اُس نے صدیوں تمہیں سوچا ہو گا
عمر بھر روئے فقط اسی دھن میں
رات بھیگی تو اُجالا ہو گا

فیض احمد فیض رُک رُک کر بڑے آرام سے پڑھتے تھے اور اُن کے لہجہ میں ایک خاص قسم کی مٹھاس اور کشش تھی انہی مشاعروں میں سنی ہوئی ان کی غزل کے دو شعر:

ہم سادہ ہی ایسے تھے کی یونہی پذیرائی
جس بار خزاں آئی سمجھے کہ بہار آئی
اس تن کی طرف دیکھو جو قتل گہِ دل ہے
مقتل میں کیا رکھا ہے اے چشمِ تماشائی

حفیظ جالندھری کو بھی انہی مشاعروں میں سنا اُن کا اپنا ہی ایک مخصوص انداز تھا، ترنم سے پڑھتے تھے اور خوب داد لیتے۔ اُن کے ایک دو شعر اب تک یاد ہیں:

نا آشنا ہیں رتبۂ دیوانگی سے دوست
کم بخت جانتے نہیں کیا ہو گیا ہوں میں
ہنسنے کا اعتبار نہ رونے کا اعتبار
کیا زندگی ہے جس پہ فدا ہو گیا ہوں میں

علامہ انور صابری نے بھی ان مشاعروں میں پڑھا اور خوب داد لی۔ اُن کے کچھ شعر ذہن میں آج بھی محفوظ ہیں:

جب سے ہم لوگ نکالے گئے مے خانے سے
دوستی نبھ نہ سکی شیشے کی پیمانے سے
روز الجھتے ہیں اربابِ خرد آپس میں
کوئی دیوانہ الجھتا نہیں دیوانے سے

جگر مرادآبادی کا صرف ایک مطلع اس وقت ذہن میں آ رہا ہے:

حسن کے نغمے بھی خاموش فغاں تک پہنچے
اب تیرے حوصلے اے عشق کہاں تک پہنچے

فراق کا پڑھنے کا انداز فیض کی طرح بڑا منفرد تھا۔ تحت اللفظ پڑھتے۔ جسے بہت پسند کیا جاتا تھا۔ اُن کی غزل میری یادداشت میں اسی قدر باقی رہ گئی کہ

یہ نکہتوں کی نرم روی یہ ہوا یہ رات
یاد آ رہے ہیں عشق کو ٹوٹے تعلقات
مایوسیوں کی گود میں دم توڑتا ہے عشق
اب بھی کوئی بنا لے تو بگڑی نہیں ہے بات

ہم اہل انتظار کے آہٹ پہ کان تھے
ٹھنڈی ہوا تھی ، غم تھا تیرا ، ڈھل چکی تھی رات

زہرہ نگاہ کے ترنم کا احساس اب بھی گانوں میں رس گھولتا ہے لیکن ان کا کوئی شعر یاد نہیں رہا اور بھی کئی شعرا تھے جن کا نہ اب نام یاد ہے نہ ہی ان کے شعر۔ بس فقط یہ یاد رہ گیا ہے کہ ساحر صدیقی مشاعرہ لوٹ لے جاتا تھا۔ بڑے بڑے شاعروں کے اہم شعر لوگ بھول جاتے تھے لیکن ساحر کا ترنم سب سے بازی لے جاتا تھا اور کئی دن تک شہر میں موضوع گفتگو بنا رہتا تھا۔ لالہ مرلی دھر شاد کو ساحر اس قدر پسند تھے کہ وہ انہیں دہلی کے مشاعرے میں شرکت کے لیے بھارت لے گیا اور پنڈت جواہر لال نہرو کی صدارت میں ایک بہت بڑا مشاعرہ ہوا جس میں جھنگ کے اس شاعر نے وہی سماں پیدا کر دیا کہ بڑے بڑے شاعر وہ داد وصول نہ کر سکے جو انھیں وہاں ملی۔ لیکن سانحہ یہ ہے کہ وہ بہت جلد اس دنیا سے اُس دنیا میں چلے گئے۔ اور آج اُن کا ادبی دنیا میں کوئی ذکر تک نہیں کیا جاتا شاید اس لیے کہ وہ ایک غریب خاندان کا غریب فرد تھا اور اس کے پاس وہ ذرائع نہیں تھے جن کے ذریعے انسان بڑا شاعر نہ ہونے کے باوجود بڑا شاعر بن جاتا ہے۔

ان مشاعروں کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں نے بھی تک بندی شروع کر دی اور اس پہ مزید یہ کہ غالب کی غزل کو سامنے رکھ کے اُسی ردیف اور قافیے میں کچھ کہنے کی کوشش کرتا۔ لیکن جب کوئی بات بن نہ پاتی تو فقط یہ کہتا کہ یہ میرے بس کی بات نہیں۔ اب سوچتا ہوں کہ ان مشاعروں کی وجہ سے اس وقت بھی میری توجہ ادبی دنیا کی طرف ہوئی لیکن ہاکی کھیلنے کا شوق اس قدر زیادہ تھا کہ ادبی شوق و ذوق اُس شوق کے نیچے دب کے رہ گیا۔ مجھے یاد ہے کہ اُنہی دنوں میں نے ایک افسانہ بھی لکھا جسے میں نے شور صاحب کی بارگاہ میں پیش کیا اور ان سے گزارش کی کہ افسانہ دیکھ کر مجھے بتائیں کہ کیا میں افسانے لکھ سکتا ہوں۔ انہوں نے دو روز کے بعد میرا افسانہ مجھے واپس کرتے ہوئے کہنے لگے:

''ابھی تم افسانے پڑھو اس کے بعد افسانے لکھنا''

بس پھر کیا تھا میں نے کرشن چندر، سعادت حسن منٹو اور احمد ندیم قاسمی کے افسانے پڑھ ڈالے لیکن افسانہ لکھنے کی جرأت کبھی نہ کر سکا۔ البتہ جب میں گورنمنٹ کالج سول لائنز ملتان میں پہنچا تو ایک دن میں نے پروفیسر عبدالخالق عزمی کو جو کالج میگزین کے انچارج تھے اُنہیں وہ افسانہ دکھایا تو کہنے لگے اس میں کیا قباحت ہے ٹھیک تو ہے اسے میں کالج کے میگزین میں شائع کر دوں گا۔ چنانچہ میری زندگی کا اکلوتا افسانہ کالج کے میگزین میں شائع ہوا جس کا عنوان تھا ''خواب''

ان مشاعروں کی بات اس لیے بھی یاد آئی کہ بعد میں جب میں ریٹائر ہونے کے قریب تھا غالباً ۹۳-۱۹۹۲ء کی بات ہے میں نے شعر کہنے شروع کیے تو غالباً یہ انہی مشاعروں کی وجہ سے ممکن ہوا یعنی میں نے ایف اے اور بی اے کے دوران جو مشاعرے دیکھے سنے اُن کے اثرات ۹۳-۱۹۹۲ء میں ظاہر ہوئے جب میں ریٹائر ہونے کے قریب تھا۔ اور آج غزلوں کی ایک کتاب ''خواب خواب روشنی'' چھپ چکی ہے۔ اس کے علاوہ ستر اسّی کے قریب نعتیں بھی کہنے کی بھی توفیق حاصل ہوئی ہے اور غزلوں کی تعداد تو خاصی زیادہ ہو چکی ہے جو ابھی کتاب کی شکل میں منصۂ شہود پر اس لیے نہ آ سکیں کہ

اس کے لیے ضروریات سے زائد رقم درکار ہے اور ہمارا معاملہ یہ ہے کہ: ''چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں؟''

ادب اور غربت کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور عموماً یہی ہوتا ہے کہ ادب ہار جاتا ہے اور غربت جیت جاتی ہے۔ پیسے ہوں تو عموماً چھوٹا شاعر بڑا ہو جاتا ہے اور اگر جیب میں پیسے نہ ہوں تو پھر ساحر صدیقی کی طرح کئی شاعر علم و ادب کی دنیا میں داخل ہو کر کہیں ایسے گُم ہو جاتے ہیں جن کا ذکر بھی نہیں ملتا۔

امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مختصر سی ملاقات:

غالباً ۱۹۵۵ء کی بات ہے جب میں گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں زیر تعلیم تھا کالج کی ہاکی ٹیم کے ہمراہ ملتان جانا ہوا۔ ملتان میں ہمارا قیام کالج کے ہوسٹل میں تھا۔ جہاں چند قدموں کے فاصلے پر حضرت شاہ جی کا رہائش گاہ تھی۔ آپ سے ملاقات کا شوق بے چین کیے ہوئے تھا۔ چند دوستوں کے ساتھ شاہ جی کے پاس حاضر ہو گیا۔ دروازے پر دستک دی تو اندر سے شاہ جی کی ہی آواز آئی آ جایئے۔ چنانچہ میں اپنے ساتھیوں کے ستاپ اندر بیٹھک میں داخل ہو گیا۔ آپ زمین پر تشریف فرما تھے۔ چند افراد بیٹھے تھے۔ یہ غالباً ان دنوں کی بات ہے جب آپ پر فالج کا پہلا حملہ ہو چکا تھا۔ کمزوری کے علاوہ گفتگو میں فالج کا اثر نمایاں تھا۔ لیکن چہرہ ویسے ہی شگفتہ اور طبیعت پر کوئی ملال نہ تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے یہ میرا بیٹا کہاں سے آ گیا ہے۔ میں نے جواباً عرض کیا کہ آپ کے ملتان والوں سے ہاکی میچ کھیلنے آیا ہوں۔ فوراً سرائیکی زبان کا لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا کہ ''اچھا توں ہن اساں ملتانیاں کوں ہراون آ گئیں۔ اینویں نہ تھیسی۔'' (اچھا تو اب تم ہم ملتانیوں کو ہرانے کے لیے آ گئے ایسا نہیں ہوگا) جس کے بعد دوسری باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے طبیعت کا پوچھا فرمانے لگے بھئی طبیعت کا کیا پوچھتے ہو بس میں تمہارے سامنے موجود ہوں دیکھ لو اب میرا جسم میرے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو چکا ہے۔ میرے ہاتھ، پاؤں، دل، دماغ، آنکھیں، زبان غرضیکہ جسم کا ایک ایک عضو میری رعایا ہے اور میں اس کا حاکم۔ میں نے اپنی رعایا سے زیادہ کام لیا۔ اتنا زیادہ کے ان کا بھرکس نکال دیا ہے۔ کیا اب انہوں نے میرے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا ہے۔ چند روز پہلے فالج کا حملہ ہوا تو سمجھ گیا کہ یہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بڑا مضبوط جسم عطا فرمایا لیکن میں نے ستر برسوں میں اسے بے تحاشا استعمال کیا۔ اب اس میں جسم کا کیا قصور ہے۔ بہر حال میں الحمدللہ! اس وقت تمہارے سامنے بیٹھا باتیں کر رہا ہوں شکر ہے اللہ کا جس حال میں رکھے۔ میں خوش ہوں اس کی خوشی میں، اس طرح وقت گزرتا رہا اور ہم باتوں میں مصروف رہے۔ بالآخر میں نے اجازت طلب کی آپ نے مجھے دعاؤں سے رخصت کیا باہر آ کر میں نے دے دی ہے۔ چنانچہ دوسرے روز جب ہمارا میچ ہوا تو ہم واقعی ملتانیوں سے میچ ہار گئے۔ اس کے بعد ہم نے ملتان کی ٹیم کے ایک لڑکے جس کا نام مجھے اب تک یاد ہے آفتاب تھا جس کو ملتان والوں نے ناجائز یعنی اصول اور ضابطے کو نظر انداز کر کے اپنی ٹیم میں شامل کیا تھا اس کے خلاف ہم نے ''یونیورسٹی سپورٹس بورڈ'' میں احتجاج رجسٹر کرایا اور فیصلہ ہمارے حق میں ہو گیا۔ چنانچہ ملتان کی ٹیم ٹورنامنٹ سے باہر ہو گئی اور ہمارا اگلا میچ گورنمنٹ کالج ساہیوال سے ہونا قرار پایا۔

پاکستان کے وکٹ کیپر امتیاز سے ملاقات:

گورنمنٹ کالج ساہیوال سے میچ کھیلنے کے لیے ہم ساہیوال پہنچے۔اس وقت ساہیوال کالج کے ہاکی انچارج آغا امجد علی تھے جنہوں نے بعد میں سول لائنز میں بطور لیکچرار بھی کام کیا اور ہمارے کالج کے پرنسپل بھی رہے۔انہوں نے ہمارا ساہیوال پہنچنے پر استقبال کیا اور ہمیں رات گزارنے کے لیے کالج میں ہی ٹھہرایا۔دوسرے دن میچ تھا پورا شہر کالج کی ہاکی گراؤنڈ پر جمع تھا۔ساہیوال کالج کی ٹیم پنجاب کے کالجوں میں اچھی خاصی مضبوط ٹیم ہوتی تھی۔میچ اپنے عروج پر تھا کہ ایک ایسا واقعہ ہوا کہ میچ روکنا پڑا اور ہمیں ساری ہاکی ٹیم کو ایک کمرے میں بند کر کے باہر سے تالہ لگا دیا گیا۔وجہ تھی کہ میچ کے دوران ایک گول جو حقیقتاً گول نہیں تھا ریفری نے ہمارے خلاف دے دیا۔بال ہمارے گول کے پیچھے جال کے باہر آ کر لگا اور ریفری نے ہمارے خلاف گول دے دیا۔ہم نے کہا کہ یہ گول نہیں ہے۔ہم احتجاج کر رہے تھے اور ریفری ماننے کے لیے بالکل تیار ہی نہیں تھا۔ ساری پبلک گراؤنڈ کے اندر آ گئی۔میچ بند ہو گیا اور ہمیں ٹیم کے کھلاڑیوں کو مارنے لگ گئے۔آغا امجد علی اور ہمارا انچارج چودھری غلام رسول نے محنت کے ساتھ ہمیں لوگوں کے چنگل سے چھڑایا اور گراؤنڈ کے ساتھ ہی ایک کمرے میں بند کر دیا۔باہر سے چودھری صاحب نے تالہ لگا دیا اور کہا کہ ٹیم اس وقت میدان میں آئے گی جب پولیس کا انتظام ہو گا۔میرے لڑکوں کی زندگی خطرے میں ہے چنانچہ آدھ پون گھنٹہ تک ہم ایک کمرے میں بند رہے۔پولیس آئی اور میچ دوبارہ شروع ہوا۔لیکن پولیس کے باوجود لوگ اشتعال میں ہی رہے اور ایسے ماحول میں اچھی کارگردگی کا مظاہرہ نہ کر سکے اور ہو بھی کیسے سکتا تھا ہم تین چار گولوں سے ہار گئے اور بڑے افسردہ ہو کر ساہیوال سٹیشن پر آ گئے۔جہاں سے ہم نے گاڑی پکڑنا تھی اور خانیوال تک جانا تھا۔خانیوال سے گاڑی تبدیل کر کے دوسری گاڑی سے لائل پور کے لیے روانہ ہونا تھا۔ریلوے سٹیشن پر ہم سب کھلاڑی افسردہ اور پریشان تھے کہ ہمارے ساتھ یہ کیا ہوا ہے؟ لیکن ہمارے انچارج نے مسکراتے ہوئے ہم سے کہا کہ:

''دیکھو میں تم لوگوں کی پرفارمنس سے خوش ہوں اب تم اس پہ زیادہ نہ سوچو، بس جو ہوا ہو گیا شکر کرو کہ کوئی بڑا حادثہ نہیں ہوا اور بچ گئے ہو، میں اس پر ہی خوش ہوں ورنہ اگر معاملہ کنٹرول سے مزید باہر ہو جاتا تو کچھ اور بھی ہو سکتا تھا۔''

اسی اثناء میں گاڑی سٹیشن پر آئی اور ہم سب کمرے میں جگہ تلاش کرنے کے لیے بھاگے تو ہمارے ایک کھلاڑی نے ہمیں کہا کہ وہ دیکھو انٹر کے ڈبے میں پاکستان کرکٹ ٹیم کے وکٹ کیپر امتیاز بیٹھے ہیں۔بس پھر کیا تھا امتیاز کا نام سنتے ہی ہم سب کھلاڑی امتیاز کے کمرے میں گھس گئے۔امتیاز اس وقت اپنی سیٹ پر بڑے آرام سے بیٹھے تھے۔ہمارے ہاتھ میں ہاکیاں تھیں اُس نے اُٹھ کر ہر ایک سے باقاعدہ ہاتھ ملایا اور گلے لگایا۔کہا کہ میری ''سپورٹس مین'' برادری آ گئی ہے۔ ہمیں وہ سارا رنج بھول گیا جب ہم نے یہ دیکھا کہ اتنا بڑا آدمی جس کی شہرت بین الاقوامی سطح پر ہے ہمارا اس طرح استقبال کر رہا ہے کہ جیسے ہم اس کے گھر ملنے کے لیے آئے ہوں۔وہ اس وقت تک کھڑا رہا جب تک پوری ٹیم کے لڑکوں کو اس نے بٹھا نہیں لیا۔ہم سے پوچھا کیا یہاں پر کوئی میچ کھیلنے کے لیے آئے تھے۔ہم نے ساری کہانی اسے بلا جھجک سنا دی وہ مسکراتا رہا کہ ہاں بھائی کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے۔شکر کرو بچ کر گھر جا رہے ہو۔ (جاری ہے)

لاہور میں قادیانیوں کے اشتعال انگیز لٹریچر کی طباعت

سیف اللہ خالد

قادیانیوں نے اشتعال انگیز لٹریچر کی طباعت واشاعت کے لیے لاہور کو اپنا مرکز بنالیا ہے۔ پچھلے ڈھائی ماہ کے دوران شہر کے چار مختلف مقامات پر چھاپے مار کر توہینِ رسالت اور توہینِ صحابہ پر مشتمل کتب، پمفلٹ اور دیگر مواد برآمد کیا جاچکا ہے تاہم اس معاملے میں متعلقہ پولیس نہ صرف روایتی سُستی اور چشم پوشی سے کام لے رہی ہے بلکہ عدالتی احکامات کو بھی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ جبکہ ان مقدمات کے مدعی حضرات کو ہراساں کیا جارہا ہے جس پر عوام اور مقامی تاجروں میں سخت اشتعال پایا جاتا ہے اور ردِعمل میں جوزف کالونی جیسا کوئی واقعہ ہوسکتا ہے۔

اُمّت کی تحقیقات کے مطابق اس سلسلہ میں پہلا واقعہ اسلام پورہ میں ۷؍جنوری ۲۰۱۳ء کو پیش آیا جہاں مقامی نوجوانوں کے تجسس کے سبب ایک گھر میں خفیہ طور پر لگائے گئے غیر قانونی پریس سے ہزاروں کی تعداد میں توہین آمیز کتب برآمد کی گئیں۔ ان کتب اور دیگر لٹریچر کی پرنٹ لائن پر مانچسٹر، جرمنی اور برطانیہ کے شہروں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ توہینِ صحابہ پر مشتمل وہ کتب جو خلافِ قانون قرار دی جاچکی ہیں اور ملک میں فرقہ وارانہ قتل وغارت کا سبب قرار دی جارہی ہیں۔ اس پریس سے شائع ہورہی تھیں۔ مقامی پولیس نے اہلِ محلّہ کی درخواست پر چھاپہ مار کر پریس سے ہزاروں کی تعداد میں کتب، پلیٹس اور دیگر سامان اپنے قبضے میں لیا تھا۔ جبکہ ملزمان پریس منیجر معید ایاز ولد ایاز، عصمت اللہ ولد رحمت اللہ، رضا اللہ ولد عبدالستار اور غلام اللہ ولد غلام نبی کو گرفتار کر کے تھانہ اسلام پورہ میں مقدمہ نمبر 12852(15/13) درج کیا گیا۔ مقدمہ کے وکیل رانا طفیل ایڈووکیٹ کا دعویٰ ہے کہ ایڈیشنل آئی جی انویسٹی گیشن ابوبکر خدا بخش اعوان نے مقدمہ کی تفتیش مکمل نہیں ہونے دی جس کے سبب ان چاروں ملزموں کے خلاف تفتیش کے بعد کوئی کارروائی ممکن نہیں ہوسکی۔ باوجود اس کے کہ ملزموں نے اعتراف کیا تھا اور اس کے ثبوت بھی دستیاب ہوگئے تھے کہ یہ پریس، بلیک ایرو، کارڈز، ایگل، شاہین، اسلام انٹرنیشنل سمیت ۹ مختلف ناموں سے کام کررہا تھا اور اسے سلطان پانی پتی خان نامی ایک قادیانی نے احمدیہ جماعت کے لیے وقف کیا جس کے اخراجات شیزان ادارہ ادا کررہا تھا اور قادیانی جماعت نے ہی معید ایاز کو یہاں منیجر رکھا ہوا تھا۔ اب یہ کیس نامکمل تفتیش کے ساتھ زیرِ سماعت ہے اور ملزموں کی ضمانت کی درخواست ہائی کورٹ میں زیرِ سماعت ہے۔

اس طرح کا ایک دوسرا واقعہ تھانہ سمن آباد کی حدود میں ۲؍فروری کو پیش آیا۔ مدعی مقدمہ محمد حسن ولد حافظ محمد سلیمان کے مطابق ان کے علم میں آیا تھا کہ ایک شخص عاطف ولد عارف مختلف مقامات پر کتابوں کے اسٹال لگا کر قادیانی نظریات پر مبنی اور توہینِ صحابہ پر مشتمل کتب تقسیم کررہا ہے۔ جس پر انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کے کتب میلہ اور رائل پارک کلب کے کتاب فیئر میں اس کی نگرانی کی اور اس سے رابطہ کر کے اس سے کتابیں لانے کو کہا وہ یہ توہین آمیز کتابیں لے کر آ گیا۔ مگر پولیس نے اسے گرفتار کرنے سے انکار کیا بلکہ مدعیان کو دھمکانا شروع کر دیا تاہم مدعی نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے عاطف کو پکڑ کر کتب

سمیت پولیس چوکی کے حوالے کر دیا۔ لیکن یہاں بھی ایڈیشنل آئی جی آر آئے اور سی آئی ڈی کے ایک انسپکٹر کی مدد سے ملزم کو تھانہ سے نکال لیا گیا۔ بعد ازاں مدعی کی جانب سے سیشن جج شوکت جاوید کی عدالت سے اندراج مقدمہ کا حکم حاصل کرنے کے بعد پولیس نے مقدمہ نمبر 58/13 درج تو کر لیا مگر عدالتی حکم کے مطابق دفعہ 295-C کے بجائے 298/B لگا کر نہ صرف ملزم کو فائدہ پہنچایا گیا بلکہ آج تک ملزم کو گرفتار بھی نہیں کیا گیا جبکہ مدعی حسن کی رہائش گاہ پر بغیر نمبر پلیٹ کی ایک گاڑی میں آنے والے کچھ لوگوں نے اسے زبردستی ساتھ لے جانے کی کوشش کی جبکہ مزاحمت پر دھمکی دی کہ ''باس عثمان نے جب کہا تھا تو پھر تم مقدمہ کی پیروی کیوں کر رہے ہو'' بعد میں تحقیق پر پتہ چلا کہ عثمان پولیس انسپکٹر ہے اور سی آئی ڈی میں تعینات ہے۔

دوسری جانب انارکلی کے علاقے سے بھی ۲۲ر فروری کو ایک بائنڈر الطاف شاہ پکڑا گیا۔ جس کے تین گودام توہینِ رسالت اور توہینِ صحابہ پر مشتمل لٹریچر سے بھرے ہوئے تھے۔ مدعی رانا محمد طفیل ایڈووکیٹ کی درخواست پر انسپکٹر رفیق نے چھاپہ مارا اور ملزم کو کتابوں سمیت گرفتار کر لیا اور اس کی نشاندہی پر مزید تین گودام بھی پکڑے گئے۔ ملزم نے دورانِ تفتیش بتایا کہ اس کے پاس یہ کتابیں بغرض بائنڈنگ اور اسٹوریج عصمت اللہ ولد رحمت اللہ لایا کرتا تھا جو کہ ۷ر جنوری کے اسلام پورہ کے مقدمہ میں پکڑا گیا۔ بعد ازاں سن رائز پریس کے شیخ وسیم یہ کتب اس کے پاس بھجوا رہے ہیں۔ اس پریس کا اصل مالک شیخ نوید، چناب نگر میں رہائش پذیر اور قادیانی ہے۔ پولیس نے کافی لیت ولعل کے بعد الطاف شاہ کے خلاف مقدمہ درج کیا اور جیل سے ملزم عصمت اللہ کو لا کر تفتیش کی تو اس نے تصدیق کی کہ شیخ وسیم یہ توہین آمیز لٹریچر شائع کرتا ہے جس میں بہت بڑی تعداد میں توہینِ صحابہ پر مشتمل وہ لٹریچر بھی شامل ہے جسے اہلِ تشیع سے منسوب کیا جاتا ہے اور اس کی بنیاد پر ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کرائے جا رہے ہیں۔ انسپکٹر رفیق نے بعد ازاں ملزموں کے ہمراہ رائل پارک میں سن رائز پریس پر چھاپہ مارا تو معلوم ہوا کہ لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے ملزم نے پریس پر ایک اخبار کی تختی لگا رکھی تھی۔ پولیس کی جانب سے شیخ وسیم کی گرفتاری پر ایک بار پھر عثمان نامی پولیس انسپکٹر مدعیان کو دھمکانے لگا۔ مگر اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ بعد ازاں ایک ڈی ایس پی ملزم کو تفتیش کے بہانے نکال کر لے گیا۔ جس پر مدعی پارٹی نے ملزم کے خلاف ایف آئی آر کے اندراج کے لیے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج لاہور کی عدالت میں نہ صرف درخواست دائر کی بلکہ متعلقہ ثبوت بھی پیش کیے۔ عدالت نے ملزم کے خلاف فوری مقدمہ درج کر کے اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا لیکن تاحال پولیس نے ملزم کو گرفتار نہیں کیا۔ مدعی کا کہنا ہے کہ ملزم بیرون ملک فرار کی تیاری کر رہا ہے۔ دوسری جانب پولیس نے انتہائی چابک دستی سے ملزم وسیم کے دفتر سے دستیاب مواد غائب کر کے الٹا مدعی کو دھمکانا شروع کر دیا ہے کہ وہ جعلی مقدمہ درج کروانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس صورتِ حال پر رائل پارک کے تاجروں میں بھی اشتعال پایا جاتا ہے جبکہ آل پاکستان پرنٹنگ پریس ایسوسی ایشن کے حاجی یوسف نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وزیرِ اعلیٰ شکایات سیل، CCPO اور دیگر پولیس افسران کو درخواست دی ہے۔ تاہم کوئی شنوائی نہ ہونے پر ۲ر مارچ کو رائل پارک کے تاجروں نے احتجاجی مظاہرہ کیا۔ ۴ر مارچ کو ہڑتال اور ۹ر مارچ کو پھر مظاہرہ کیا۔ جو پولیس کی جانب سے ۲۴ گھنٹے میں ملزم کی گرفتاری کے وعدے پر ختم کر دیا گیا۔ نمائندے سے بات چیت کرتے ہوئے رائل پارک کے تاجر رہنماؤں نے توہینِ رسالت وتوہینِ صحابہ کے ان واقعات پر شدید غم و غصے کا اظہار کیا ہے اور انتباہ کیا کہ ملزم کی گرفتاری میں مزید تاخیر ہوئی تو مشتعل عوام کو روکنا ممکن نہیں رہے گا۔ **(مطبوعہ: روزنامہ ''اُمّت'' کراچی، ۱۷ر مارچ ۲۰۱۳ء)**

بھارتی قادیانیوں اور ہندو انتہا پسندوں میں گٹھ جوڑ

احمد نجیب زادے

بھارتی مسلمانوں کے نظریات اور سیاسی سوچ کو تبدیل کرنے کے لیے قادیانیوں نے انتہا پسند ہندو تنظیم راشٹریہ سیوک سنگھ کے ساتھ گٹھ جوڑ کرلیا ہے۔اس سازش سے پردہ اس وقت اٹھ گیا جب راشٹریہ سیوک سنگھ کی ذیلی تنظیم راشٹریہ مسلم منچ کے کنوینئر محمد افضال نے ایک خطاب میں کھل کر قادیانیوں کی حمایت کا اعلان کیا اور بھارت میں گائے کی قربانی پر مکمل طور پر پابندی عائد کرنے کی حمایت کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ بھارت کا آئندہ وزیرِ اعظم راشٹریہ سیوک سنگھ کا نامزد کردہ شخص ہونا چاہیے۔چاہے وہ گجرات کے وزیرِ اعلیٰ نریندر امودی ہی کیوں نہ ہوں۔

واضح رہے کہ ہر سال بھارت میں احمدیہ جماعت کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے قادیانیوں کے سالانہ جلسے میں آر ایس ایس مسلم منچ کے قادیانی کنوینئر محمد افضال کو بطور خاص مدعو کیا جاتا ہے، جس میں یہ قادیانی شخص ہندوازم کے حق میں اور مسلمانوں کے خلاف ہذیان بکتا رہتا ہے۔ بھارت کے مسلم ابلاغی ذرائع کا کہنا ہے کہ راشٹریہ سیوک سنگھ جو بھارت میں مسلمانوں کے خلاف کارروائیوں اور انہیں زبردستی ہندو بنانے کے پروگرام پر عمل پیرا ہے، نے ۲۰۰۲ء میں مسلم راشٹریہ منچ کے نام سے ایک ذیلی تنظیم بنا کر مسلمانوں کے ایمان اور سیاسی حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کا پروگرام بنایا تھا۔جس کے تحت ایک قادیانی محمد افضال کو اس کی کنوینئر بنایا گیا۔ بھارت میں مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے بنائے گئے جامع پلان میں قادیانیوں کی عالمی تنظیم مکمل طور پر شریک ہے۔

قادیانیوں کے ترجمان جریدے سے منسلک احمدیہ ٹائمز بلاگ پر موجود تفصیلات کے مطابق راشٹریہ سیوک سنگھ اور اس کی ذیلی تنظیموں نے مسلمانوں کو ہندو بنانے اور انہیں ان کے دین اور عقائد سے برگشتہ کرنے کے لیے قادیانیوں سے ہاتھ ملایا ہے۔اس منصوبے کے تحت بھارت بھر میں راشٹریہ مسلم منچ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے اور مسلم ہندو اتحاد کے نام پر آر ایس ایس کے مرکزی عہدے داروں کی جانب سے مشترکہ ملاقاتوں اور میٹنگز کے ذریعے مسلمانوں کو ہندوازم کی تعلیمات کی جانب راغب کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں اور انہیں سمجھایا جارہا ہے کہ آر ایس ایس اور بھارتیہ جنتا پارٹی مسلمانوں کے اصل نجات دہندہ ہیں۔قبل ازیں اس کام کے لیے راشٹریہ سیوک سنگھ نے ''ہندو مسلم اتحاد'' کے نام پر مسلم علما کو استعمال کرنے کا کام شروع کیا تھا اور جب آر ایس ایس نے یہ دیکھا کہ عام مسلمان بھی ہندو مسلم اتحاد کی جانب راغب

ہورہے ہیں تو انہوں نے راشٹریہ مسلم منچ بنا کر اس کے رہنماؤں کے طور پر صرف قادیانیوں کو تعینات کیا ہے جو کھلے عام مسلمانوں میں تحریف کردہ قرآنی نسخے اور اپنے عقائد پر مبنی کتابیں تقسیم کررہے ہیں۔

بھارتی جریدے ٹائمز آف انڈیا کی خاص رپورٹر منجری مشرا نے ۹ رفروری کی اشاعت میں لکھا ہے کہ آر ایس ایس کی جانب سے مسلمانوں کو رجھانے کے لیے ''سم پرک ابھیان'' مہم کا آغاز کیا گیا ہے اور اس حوالے سے راشٹریہ مسلم منچ کے قادیانی مبلغین کو استعمال کیا جارہا ہے۔ مسلم اُمّہ نامی آن لائن جریدے نے بھی اپنی ایک اشاعت میں بھارت میں قادیانیوں اور آر ایس ایس کے گٹھ جوڑ سے چلائی جانے والی تحریک پر تشویش کا اظہار کیا ہے جس میں آر ایس ایس اور قادیانی جماعت بھارتی مسلمانوں کو ہندوؤں اور قادیانیوں کی تعلیمات اور مشن سے قریب لانے کی کوشش کررہے ہیں۔

بھارت میں مسلم نیوز پورٹل Twocircles کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ آر ایس ایس کے ایک مقرر اندریش کمار کو راشٹریہ مسلم منچ کے ساتھ کو آرڈی نیشن کا کام تفویض کیا گیا تھا، جنہوں نے اتر پردیش، دہلی، آندھرا پردیش اور مختلف علاقوں میں مسلم رہنماؤں کو اس بات پر راغب کرنے کی کوشش کی تھی کہ بھارت میں مسلم ہندو اتحاد ہونا چاہیے اور مسلمانوں کو ہندوؤں کا یہ مطالبہ تسلیم کرنا ہوگا کہ گائے ذبح کرنے پر مکمل پابندی عائد کی جائے اور مسلمان جہادی سرگرمیاں ترک کردیں۔

رپورٹ کے مطابق بھارتی مسلمانوں کو آر ایس ایس کی جانب راغب کرنے کے لیے اس ہندو تنظیم کو بھارتی قادیانیوں کی مکمل سپورٹ حاصل ہے۔ مشرقی پنجاب میں قادیانیوں کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے راشٹریہ مسلم منچ کے قادیانی کنوینر محمد افضال نے تسلیم کیا کہ بھارت میں قادیانی جماعت اور آر ایس ایس کا مشن ایک ہی ہے، اس لیے ہمیں کندھے سے کندھا ملا کر اپنا کام کرنا ہوگا۔ واضح رہے کہ پنجاب میں قادیانی جماعت کے ۱۱۸ ویں سالانہ اجلاس میں آر ایس ایس کی نمائندگی کرنے والے راشٹریہ مسلم منچ کے کنوینر محمد افضال نے مرزا قادیانی، آر ایس ایس کے رہنماؤں ایس کے سدرشن اور اٹل بہاری واجپائی کی کھل کر تعریف کی تھی اور کہا تھا کہ اگر ان رہنماؤں کی تعلیمات اور سوچ پر عمل کیا جائے تو بھارت میں ہندوازم کا انقلاب برپا ہوسکتا ہے جس میں مسلمان اور ہندو یک جان ہوکر رہیں گے۔ جبکہ دار الحکومت نئی دہلی میں ایک تقریب میں راشٹریہ مسلم منچ کے کنوینر محمد افضال نے قادیانیوں کو سچا مسلمان اور ان کے آنجہانی سربراہ مرزا قادیانی کو ایک عظیم رہنما قرار دیا اور کہا کہ بھارتی مسلمانوں کو مرزا قادیانی کی تعلیمات پر غور کرنا چاہیے کیوں کہ بھارتی مسلمانوں کی ہندوؤں کے ساتھ لڑائی بھڑائی کی پالیسی درست نہیں ہے اور نہ ہی مسلمانوں کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ بھارت میں رہتے ہوئے گائے کے ذبیحے پر زور دیں۔

بھارتی انتہا پسند تنظیموں کے اتحاد سنگھ پریوار کی ترجمان ویب سائیٹ www.sanghparivar.org کا ایک رپورٹ میں کہنا ہے کہ راشٹریہ مسلم منچ کے کنوینر محمد افضال نے زور دیا ہے کہ بھارت کا آئندہ وزیراعظم آر ایس ایس سے ہونا چاہیے جو ہندوتوا کے لیے کام اور بھارتی مسلمانوں کو آئندہ انتخابات میں آر ایس ایس کو ہی ووٹ دینا چاہیے کیوں کہ یہ جماعت برسر اقتدار آ گئی تو وہ بھارتی مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرے گی۔ جبکہ قادیانی محمد افضال نے راشٹریہ مسلم منچ کے گیارہویں سالانہ تربیتی سیشن سے خطاب میں الزام عائد کیا ہے کہ کانگریس سرکار کی جانب سے مسلمانوں کا ہمیشہ استحصال کیا گیا ہے، اس لیے مسلمانوں کو آئندہ الیکشن میں آر ایس ایس جیسی نجات دہندہ جماعت کو ووٹ دینا چاہیے۔

قادیانیوں کی جانب سے بھارتی مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کے لیے راشٹریہ سیوک سنگھ کا پلیٹ فارم استعمال کرنے کے حوالے سے ''ویکلی نئی دہلی'' پہلے ہی ایک رپورٹ میں یہ انکشاف کر چکا ہے کہ قادیانیوں اور آر ایس ایس کے متعصب رہنماؤں کے درمیان بہترین تعلقات موجود رہے ہیں اور اب بھی دونوں تنظیمیں بھارتی مسلمانوں کے ووٹوں اور ایمان پر ڈاکا ڈال رہی ہیں۔ کم تعلیم یافتہ غریب ومفلوک الحال مسلمان ان کا خاص ہدف ہیں۔ جریدے نے لکھا ہے کہ بھارت کی ان ریاستوں میں جہاں بی جے پی اور اس کی برادر ہندو جماعتیں اقتدار میں ہیں وہاں حج کمیٹیوں اور اوقاف کے اداروں میں خاموشی کے ساتھ قادیانیوں کو مرکزی عہدوں پر بٹھایا جا رہا ہے، جبکہ ہندی زبان میں شائع ہونے والا غیر جانب دار جریدہ نئی دنیا بھی لکھ چکا ہے کہ بھارت میں اپنے اپنے مقاصد کے لیے آر ایس ایس اور قادیانی جماعت کا گٹھ جوڑ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ قادیانی احمدیہ جماعت کا تنظیمی سیٹ اپ خاموشی سے کارگزار ہے۔ مرزا قادیانی کی کتابوں اور تحریف کردہ قرآنی نسخہ جات کو اردو اور ہندی زبانوں میں ترجمہ کر کے اور ان کے اندرونی صفحات پر ملعون مرزا قادیانی کی تصویریں چسپاں کر کے بھارت بھر کی مساجد میں رکھنے کی تحریک اب بھی جاری ہے۔ جب کہ قادیانی جماعت اور راشٹریہ سیوک سنگھ کی مشترکہ کاوشوں کے تحت مسلمانوں کے عقائد اور سیاسی رجحانات کو ہندوؤں اور قادیانیوں کی جانب موڑنے کے لیے کئی اقسام کے کتابچے بھی شائع کیے گئے ہیں جو منظّم انداز میں بھارتی مسلمانوں میں تقسیم کیے جا رہے ہیں۔ اوپر سے مسلمان اور اندر سے مکمل قادیانی محمد افضال جو اس وقت راشٹریہ مسلم منچ کا کنوینر بنا ہوا ہے، نے کئی مواقع پر مسلمانوں کو اس بات پر راغب کرنے کی کوششیں کی ہیں کہ ہندو اور مسلمان ایک ہیں اور جہاد ایسا عمل نہیں ہے جس پر مسلمانوں کو زور دینا چاہیے۔ یہ حیرت انگیز بات سامنے آئی ہے کہ محمد افضال جماعت احمدیہ کی جانب سے مبلغ کورس بھی کر چکا ہے جس میں اسے قادیانی مبلغین نے قرآن کریم کی آیات کے ترجمے کو غلط انداز اور تناظر میں پیش کرنے کی مہارت دلوائی ہے تاکہ وہ مسلم ہندو اتحاد کے نام پر منعقد کی جانے والے تقاریب میں قرآن کی آیات پڑھ کر ان کی تشریح قادیانیوں

کے انداز میں کرے اور مسلمانوں کو عقیدۂ ختمِ نبوّت اور جہاد کے اصل مفہوم سے برگشتہ کرے۔ سوشل نیٹ ورکنگ سائٹس فیس بک اور ٹوئیٹر پر موجود بھارت سے تعلق رکھنے والے راسخ العقیدہ مسلمان نوجوانوں کا استدلال ہے کہ بی جے پی اور آر ایس ایس سمیت تمام ہندو دہشت گرد تنظیموں کا وطیرہ رہا ہے کہ وہ مجہول، جاہ پرست اور محض نام کے مسلمانوں کو ہائر کر کے پوری مسلم برادری کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ جیسا کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے شاہ نواز حسین اور مختار عباس نقوی جیسے جاہ پرست اور دین سے دور، نام نہاد مسلمانوں کا نام استعمال کر کے ہندو تنظیمیں مسلمانوں کو معاشی، معاشرتی اور سیاسی طور پر غلام بنانے کی کارروائیاں کر رہی ہیں۔ اسی طرح آر ایس ایس نے راشٹریہ مسلم منچ کے کنوینر کی حیثیت سے ایک قادیانی محمد افضال کو کھڑا کر کے مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کی کوششیں تیز کر دی ہیں۔

افضال کے حوالے سے مسلم رہنماؤں کا کہنا ہے کہ اس نے کئی بار اپنے انٹرویوز میں تسلیم کیا ہے کہ اس کا روحانی استاد آر ایس ایس کا رہنما اندریش کمار ہے۔ واضح رہے کہ اندریش کمار ایک دہشت گرد ہے۔ بھاری جریدے جاگرن پوسٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق بھارتی پولیس کی جانب سے کی جانے والی تفتیش اور انٹیلی جنس رپورٹوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ اندریش کمار بظاہر تو ہندو مسلم اتحاد کا دعوے دار بنا پھرتا ہے لیکن اصل میں وہ ایک ایسا سفاک دہشت گرد ہے جو سمجھوتہ ایکسپریس اور مالی گاؤں بم بلاسٹ کا مرکزی ملزم بھی ہے۔ اس کو اگرچہ بھارتی حکام نے گرفتار بھی کیا تھا لیکن بعد ازاں اسے ضمانت پر رہائی دے دی گئی جس کے بعد سے یہ شخص قادیانی جماعت کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ہندو تو اپر راضی کرنے کا کام کر رہے۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''اُمّت'' کراچی، ۱۲/ مارچ ۲۰۱۳ء)

ادارہ

اخبارُالاحرار

زکریا یونیورسٹی ملتان میں توہین رسالت کے مرتکب جنید حفیظ کو عبرتناک سزا دی جائے

(ملتان ۲۲ر مارچ) مجلس احرار اسلام پاکستان کے نائب امیر سید محمد کفیل بخاری نے کہا کہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان انگلش ڈیپارٹمنٹ کے وزیٹنگ لیکچرر جنید حفیظ نے اپنی فیس بک پر توہین رسالت کا ارتکاب کیا ہے اس پر دہشت گردی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔ انہوں نے کہا کہ علماء اور وکلاء پر مشتمل مشترکہ کمیٹی کو ایف آئی آر نہیں دی جارہی۔ ڈی سی او ملتان اس کمیٹی کو ایف آئی آر جلد از جلد مہیا کریں۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ ملزم کے خلاف 295/c کے تحت مقدمہ درج ہوگیا ہے اور ملزم گرفتار ہے لیکن اسے چھپایا جارہا ہے کمیٹی کو باخبر کیا جائے کہ ملزم کہاں ہے۔ انہوں نے کہا کہ خطرہ ہے کہ سابقہ واقعات کے پیش نظر ملزم کو غیر ملکی دباؤ کے زیر اثر ملک سے فرار نہ کروادیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ ملک میں موجود سیکولر فاشسٹوں کی سرپرستی اور ان کے ایماء پر آئے روز شعائر اللہ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی توہین کی جارہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یونیورسٹی میں موجود سیکولر فاشسٹوں کے ذریعے غیر ملکی لابی کے ایماء پر یورپین کلچر کو فروغ دیا جارہا ہے۔ اور ہمارے نوجوانوں کو اسلام سے دور کیا جارہا ہے۔

حکومت قادیانیت نوازی ترک کردے: مجلس احرارِ اسلام

پیپلز پارٹی بھٹو کے تحفظِ ختم نبوت کے کردار کو فراموش کرچکی ہے: مقررین کا خطاب

لاہور (۳ر مارچ) مجلس احرارِ اسلام کے زیر اہتمام تحریکِ ختم نبوّت ۱۹۵۳ء کے شہدا کی یاد میں حضرت مولانا سید عطاء المہیمن بخاری کی زیر صدارت سالانہ شہدا ختم نبوّت کانفرنس ہوئی۔ تنظیم اسلامی پاکستان کے امیر حافظ عاکف سعید، جمعیت علما اسلام (س) کے سیکرٹری جنرل مولانا عبدالرؤف فاروقی، مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے نائب امیر پروفیسر خالد شبیر احمد، سید محمد کفیل بخاری، سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ، قاری محمد یوسف احرار، جماعت اسلامی پاکستان کے ڈپٹی سیکرٹری فرید احمد پراچہ، جمعیت علما اسلام (ف) کے سیکرٹری اطلاعات مولانا محمد امجد خان اور دیگر مقررین نے انتباہ کیا ہے کہ حکومت قادیانیت نوازی ترک کردے، قادیانیوں سے ہمدردی رکھنے والے سیاست دان ملک وملّت کے وفادار نہیں ہوسکتے۔ پیپلز پارٹی بھٹو مرحوم کے تحفظ ختم نبوّت کے کردار کو فراموش کرچکی ہے۔ کانفرنس کی قراردادوں میں مطالبہ کیا گیا کہ ارتداد کی شرعی سزا نافذ کی جائے، امتناع قادیانیت ایکٹ پر مؤثر عمل درآمد کروایا جائے۔ قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔ یہ ملک کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔

تحفظِ ختم نبوت کانفرنس، تلہ گنگ

تلہ گنگ (۱۵ر فروری) مجلس احرار اسلام کراچی کے رہنما اور مولانا گل شیر شہیدؒ کے جانشین مفتی ہارون مطیع اللہ

نے مسجد ابوبکر صدیقؓ تلہ گنگ میں ختم نبوت کانفرنس کے سلسلے میں اجتماع جمعہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ ختم نبوت دین کی اساس ہے۔ جس کے لیے شہدائے ختم نبوت نے اپنا خون دے کر عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کا حق ادا کیا۔ اگر قادیانی فتنے کے آگے دس ہزار شہداء سینہ تان کر نہ کھڑے ہوتے تو کوئی دنیاوی طاقت پاکستان کو قادیانی سٹیٹ بننے سے نہ بچاسکتی۔ انہوں نے کہا کہ یہ مجلس احرار اسلام کے بزرگوں اور کارکنوں کا صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ امت مسلمہ پر احسانِ عظیم ہے کہ انہوں نے اس فتنۂ ضالہ کی مذموم سازشوں کا بروقت ادراک کیا اور تمام عالم اسلام کو خبردار کر کے اِن کے بڑھتے ہوئے ارتدادی ہتھکنڈوں کے آگے آہنی دیوار کھڑی کر دی۔ قانون امتناع قادیانیت اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جانا، اُن کی پرخلوص قربانیوں کا ہی نتیجہ ہے۔ مفتی ہارون مطیع اللہ نے کہا کہ میں اکابر احرار کے جانشینوں فرزندان امیر شریعت کو سلام پیش کرتا ہوں کہ جنھوں نے کڑے سے کڑے وقت میں بھی اپنے قابل فخر اسلاف کی روایات کی پاسبانی کرتے ہوئے جرأت و دلاوری کی تاریخ رقم کی۔ انہوں نے ملک میں حالیہ علماء کرام کے قتل کے پے در پے واقعات کی شدید مذمت کی اور تمام دینی قوتوں سے اپیل کی کہ وہ باہم اختلافات کو ختم کرتے ہوئے دین کی سربلندی کے یک نکاتی ایجنڈے پر متحد ہو کر دشمن کے عزائم کو ناکام بنادیں۔ ورنہ لادین قوتیں علماء کے خون سے ہاتھ رنگتی رہیں گی اور ہمارا انتشار ہماری تباہی کا باعث بنتا رہے گا۔ مفتی ہارون مطیع اللہ نے مسجد حسنینؓ میں بھی خطاب کیا۔ وہ کئی دن تک تلہ گنگ میں قیام پذیر رہے۔ انھوں نے فہم ختم نبوت خط کتابت کورس کے شعبہ جات کا معائنہ کیا اور مختلف حلقہ زندگی سے متعلق افراد سے تبادلۂ خیالات کرنے کے بعد وہ چیچاوطنی کے دورہ پر روانہ ہوگئے۔

قادیانی جماعت سب سے بڑی ٹیکس نادہندہ نکلی

انجمن احمدیہ کے خلاف 129 ارب روپے کی ٹیکس چوری کا مقدمہ لاہور ہائی کورٹ میں زیر سماعت ہے

اسلام آباد (وقائع نگار) پاکستان کی تاریخ کا 129 ارب روپے کی سب سے بڑی ٹیکس چوری کا مقدمہ لاہور ہائی کورٹ میں تحریک جدید انجمن احمدیہ چناب نگر کے خلاف موجود ہے۔ قادیانیوں کی یہ تنظیم ملک کی سب سے بڑی ٹیکس چور تنظیم نکلی ہے۔ ایف بی آر نے ملک کی مختلف عدالتوں میں 225 ارب روپے کی ٹیکس چوری کے 351 مقدمات دائر کیے ہیں جن سے 129 ارب روپے کی ٹیکس ادائیگی قادیانیوں کی تنظیم کے ذمے ہے۔ فیصل آباد کے ریجنل ٹیکس پیڈ آفس (آر ٹی او) نے صدر انجمن احمدیہ چناب نگر (ربوہ) سے انکم ٹیکس آرڈیننس کی شق (5A) 125 کے تحت 64.639 ارب روپے کا ٹیکس طلب کیا، جس پر لاہور ہائی کورٹ نے 29/مئی 2012ء کو حکم امتناعی جاری کیا، لیکن آر ٹی او فیصل آباد قادیانی انجمن کو ٹیکس سے استثنیٰ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ٹیکس کی رقم بہت بڑی ہے اسے معاف نہیں کیا جاسکتا۔ قادیانی انجمن نے یہ رقم مزید ایک سال ادا نہیں کی جس سے یہ بڑھ کر تقریباً 129 ارب روپے ہوگئی ہے۔ اس سال قومی خزانے میں محاصل کی مد میں بہت کم آمدنی ہوئی ہے۔ واضح رہے کہ 129 ارب روپے کا ٹیکس کم از کم 500 سے 660 ارب روپے کی آمدنی پر لگتا ہے۔ (روزنامہ امت، کراچی 25/مارچ 2013)

سید محمد کفیل بخاری کے تبلیغی و تنظیمی اسفار

۳/مارچ، اتوار، سالانہ ختم نبوت کانفرنس لاہور میں شرکت وخطاب

۷/مارچ، جمعرات، خطاب بعد ظہر، مدرسہ فاروقِ اعظم، موضع کلیار، روڈ وسلطان

۱۰/مارچ، اتوار، شرکت وخطاب اجتماع، بیاد مولانا قاری عبدالحی عابد رحمۃ اللہ علیہ مدنی مسجد، غازی آباد لاہور

۱۷/مارچ، بعد ظہر خانقاہ احمدیہ، مجددیہ، سراجیہ، دادڑہ بالا، ہڑپہ میں صاحبزادہ رشید احمد صاحب کی دعوت پر حاضری وخطاب

۲۰/مارچ، بدھ، خطاب بعد نمازِ ظہر، جامع مسجد صدیق اکبر، کھنّی اڈہ، نزد چوک سرور شہید

۲۲/مارچ، جمعہ بعد نمازِ عشاء، خطاب اجتماع، جلہ جیم تحصیل میلسی ضلع وہاڑی

۲۴/مارچ، قبل از ظہر ملاقات شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید مدظلہٗ، چوک سرور شہید

۲۴/مارچ، اتوار، خطاب بعد نمازِ ظہر، مسجد ختم نبوت، پیر جگی موڑ، چک نمبر 516/TDA

۲۹/مارچ، سالانہ شہدائے ختم نبوت کانفرنس، چناب نگر، قبل از نماز جمعہ خطاب

۲۹/مارچ، بعد نمازِ عشاء کھنب کہنہ نزد مڈرانجھہ میں خطاب

۳۰/مارچ قیام مرکزی دفتر مجلس احرار اسلام لاہور، ملاقات ومشاورت احباب

۳۱/مارچ، چیچہ وطنی، مرکزی ناظم اعلیٰ جناب عبداللطیف خالد چیمہ اور کارکنان احرار سے ملاقات ومشاورت

مسافرانِ آخرت

● **سید خلیل الرحمٰن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ:** قائدِ احرار، حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہٗ کے چچا زاد گزشتہ ماہ گجرات میں انتقال کر گئے

● **حافظ محمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ:** ہمارے قدیمی کرم فرما، مولانا محمد اکرم رحمہ اللہ (سلطان فونڈری) بھائی محمد افضل (سابق رہنما تبلیغی جماعت) کے برادرِ اصغر اور بھائی محمد نعیم کے والد ماجد حافظ محمد اشرف رحمہ اللہ لاہور، انتقال: ۱۱/مارچ ۲۰۱۳ء

● والدہ مرحومہ: لہراسب، شیر افگن (ملتان)

● **عطاء اللہ مرحوم:** مجلس احرار اسلام ملتان کے نائب ناظم چودھری لیاقت علی کے جواں سال بیٹے، انتقال: ۱۳/مارچ ۲۰۱۳ء

● **حافظ اعجاز حسین مرحوم:** ہمارے کرم فرما مولانا عزیز الرحمٰن خورشید (خطیب جامع مسجد فاروقیہ ملکوال)، محترم مولانا عبدالرحمٰن علوی (راولپنڈی) کے جواں سال بھانجے حافظ اعجاز حسین مرحوم، انتقال: ۱۳/فروری ۲۰۱۳ء

● حافظ محمد فاروق مرحوم: ملتان، انتقال: ہفتہ ۱۶/مارچ ۲۰۱۳ء مجلس احرار اسلام کے مخلص کارکن اور مدرسہ معمورہ کے سفیر تھے

● حافظ عبدالوحید (ٹوبہ ٹیک سنگھ) کے تایا سراج الدین مرحوم، انتقال: ۲۷/فروری ۲۰۱۳ء

● ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ہمارے کرم فرما محمد ارشد مرحوم، انتقال: ۱۴/فروری ۲۰۱۳ء

● مجلس احرارِ اسلام ملتان کے کارکن عبدالجبار صاحب کے بڑے بھائی اور تحریک طلباء اسلام کے رہنما فرحان الحق حقانی کے پھوپھی زاد حاجی عبدالعزیز مرحوم، انتقال: ۲۸/فروری ۲۰۱۳ء

● پروفیسر ملک عبدالواحد مرحوم کے جواں سال فرزند شجاع الرحمٰن مرحوم، انتقال: یکم مارچ ۲۰۱۳ء

● نقیبِ ختمِ نبوت کے سرکولیشن منیجر محمد یوسف شاد کے ماموں وسسر ابوسعید طالب حسین ڈرائیور، انتقال: ۱۹/مارچ ۲۰۱۳ء

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے۔ (آمین) قارئین سے درخواست ہے کہ ایصال ثواب اور دعاءِ مغفرت کا خصوصی اہتمام فرمائیں (ادارہ)

دعائے صحت

● مجلس احرار اسلام پاکستان کے ناظم اعلیٰ جناب عبداللطیف خالد چیمہ ان دنوں علیل ہیں

● مجلس احرار اسلام چشتیاں کے کارکن علی اصغر صاحب کی والدہ ماجدہ علیل ہیں

احباب سے دعائے صحت کی درخواست ہے (ادارہ)

MP3
سی ڈیز

خطبات محسن اور
ابن امیر شریعت مولانا
سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۱ سالانہ قدیمی مجلس ذکر حسین رضی اللہ عنہ (1981 تا 1998)
۲ واقعۂ کربلا اور ہمارا موقف (۱۲ تقاریر)
۳ شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پس منظر پیش منظر (۹ تقاریر)
۴ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عصرِ حاضر (۱۴ تقاریر)
۵ سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارا کردار (۱۷ تقاریر)
۶ سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم (۱۴ تقاریر)
۷ توحید و شرک (۱۷ تقاریر)
۸ ختم نبوت، حیاتِ عیسیٰ اور علامات قیامت (۱۸ تقاریر)
۹ خطبات برطانیہ (۱۸ تقاریر)
۱۰ اسلام، پاکستان اور سیاست (۱۶ تقاریر)
۱۱ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۹ تقاریر)
۱۲ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۷ تقاریر)
۱۳ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم (۹ تقاریر)
۱۴ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم (۷ تقاریر)
۱۵ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم (۱۰ تقاریر)
۱۶ سیرت خلفاء اسلام رضی اللہ عنہم (۷ تقاریر)
۱۷ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ناقدین (۸ تقاریر)
۱۸ بیادِ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ (۹ تقاریر)
۱۹ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بے رحم ناقدین (۱۶ تقاریر)
۲۰ سیرتِ ازواج واصحابِ رسول (۱۸ تقاریر)
۲۱ خطبات ختم نبوت وجلوسِ احرار چناب نگر (۱۹ تقاریر)
۲۲ نفاذ اسلام اور جمہوریت (۱۵ تقاریر)
۲۳ اسلام اور جمہوریت (۱۶ تقاریر)
۲۴ دروسِ قرآن (۱۸ تقاریر)

DVD Video's

- سیرت کانفرنس وجلوس چناب نگر ۱۲ ربیع الاول 1988
- ختم نبوت کانفرنس (لندن) 1987
- اسلام اور جمہوریت (پرانا برف خانہ، ملتان) 1996
- سالانہ قدیمی مجلس ذکرِ حسین رضی اللہ عنہ 1998,1997,1996,1994,1991,1990,1987

- سالانہ قدیمی مجلس ذکرِ حسین رضی اللہ عنہ، نواسہ امیر شریعت سید محمد کفیل بخاری 2007, 2006, 2005, 2004 / 2012, 2011, 2010, 2009
- سالانہ قدیمی مجلس ذکرِ حسین رضی اللہ عنہ، ابن ابوذر حافظ سید محمد معاویہ بخاری 2007, 2006, 2005, 2004 / 2012, 2011, 2010, 2009
- سالانہ ختمِ نبوت کانفرنس وجلوسِ احرار (چناب نگر) 2012, 2011

MP3 سی ڈیز

- تحریک آزادی کے عظیم رہنما آغا شورش کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ (۲۰ تقاریر)
- مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ (۸ تقاریر)
- حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ (۴ تقاریر)
- استاذ الحدیث مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ (ختم نبوت کورس، دار بنی ہاشم ملتان) 2009, 2008, 2007
- شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی مدظلہ (ختم نبوت کورس، لاہور، ملتان) 2008, 2006, 2002, 2001

صدائے احرار
دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان 061-4511961, 0300-8020384
دفتر مجلس احرار اسلام 69-سی حسین سٹریٹ، وحدت روڈ، نیو مسلم ٹاؤن لاہور 0300-4240910

بیاد مجدد بنی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ معمورہ

بانی سیّد عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ
قائم شدہ 28 نومبر 1961ء

دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان

خصوصیات

★ الحمدللہ مدرسہ معمورہ اپنے تعلیمی وفکری سفر میں ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے
★ درجہ متوسطہ سے درجہ مشکوٰۃ شریف تک داخلے ★ دارالافتاء کا قیام
★ صرف ونحو کا، ماہر اساتذہ کی نگرانی میں اجراء ★ قیام وطعام، وظیفہ اور علاج کی سہولت
★ علمی، فکری، اخلاقی اور روحانی تربیت ★ تقریر وتحریر کی تربیت ★ دارالمطالعہ کی سہولت
★ ماہانہ مجلس ذکر ★ سالانہ ختم نبوت کورس ★ طالبات کے لیے جامعہ بستانِ عائشہ میں حفظ وناظرہ قرآن، درسِ نظامی اور پرائمری، مڈل شعبوں میں تعلیم جاری ہے

تعمیری منصوبے

• وسیع بیسمنٹ ہال • دارالقرآن • دارالحدیث • دارالمطالعہ

اور دارالاقامہ کے لیے 24 کمروں پر مشتمل دومنزلہ عمارت کی تعمیر شروع کی جارہی ہے۔
تخمینہ لاگت بیسمنٹ ہال (20,00,000) بیس لاکھ روپے، لاگت فی کمرہ چار لاکھ روپے ہے
تخمینہ لاگت درس گاہیں، ہاسٹل، لائبریری، مطبخ (1,00,00,000) ایک کروڑ روپے
صدقہ جاریہ میں حصہ لیں اور نقد وسامانِ تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرما کر اجر حاصل کریں۔
نیز طلباء کی ضروریات کے لیے زکوٰۃ وعشر، صدقات اور عطیات سے تعاون فرمائیں۔

رابطہ
061 - 4511961
0300-6326621
majlisahrar@yahoo.com
majlisahrar@hotmail.com

ترسیلِ زر
بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری مدرسہ معمورہ
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 2-3017 یو بی ایل کچہری روڈ ملتان
بذریعہ آن لائن: 2-3017-010 بینک کوڈ: 0165

الداعی الی الخیر
ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری
مہتمم
مدرسہ معمورہ ملتان

آیئے! اللہ تعالیٰ سے دعا کے ساتھ سود اور قرض کے خلاف جنگ کا آغاز کریں!

ادائیگی قرض کی دعائیں

۱) .....حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غلام نے عرض کیا میں اپنے آقا کو رقم ادا کر کے جلدی آزادی چاہتا ہوں۔ آپ میری مدد فرمائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تجھے دو کلمے سکھلا دیتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھلائے تھے۔ اگر تجھ پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا اللہ تعالیٰ ادا کر دے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ۔

''الٰہی! حاجتیں پوری کر میری حلال روزی سے اور بچا حرام سے اور بے پروا کر دے مجھ کو اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا سے۔'' (مشکوۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

۲).....حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مقروض ہوگیا تھا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں وہ کلام سکھلا دیتا ہوں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تیرا غم دور اور قرض ادا کر دے گا، صبح وشام یہ دعا پڑھا کرو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ۔

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فکر وغم سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور سستی سے اور بچاؤ چاہتا ہوں آپکے ساتھ بخل اور بزدلی سے اور پناہ میں آتا ہوں آپ کی قرض کے غلبے اور لوگوں کے سخت دباؤ سے۔'' (مشکوۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

مرتبہ مولانا محمد امین معلم اسلامیات Tel:041-8814908

دعاؤں کے طالب

CARE PHARMACY کیئر فارمیسی

Trusted Medicine Super Stores

Head Office: Canal View, Lahore

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! فیصل آباد میں 9 برانچز آپ کی خدمت کیلئے 24 گھنٹے کھلی ہیں۔